اجراء حسبِ ارشاد: شیخ الحدیث حضرت مولانا مشرف علی تھانوی قدس سرہ

مواعظ حکیم الامت اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین

ماہنامہ
الامداد
لاہور پاکستان

مدیر مسئول: (مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی
مدیر: ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی

جلد ۲۶ | شوال المکرم ۱۴۴۶ھ | اپریل ۲۰۲۵ء | شمارہ ۴

طریق القلندر

(حقیقت طریق القلندر) (قسط اول)

از افادات

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

عنوانات و حواشی: ڈاکٹر مولانا خلیل احمد تھانوی

قیمت فی پرچہ =/۷۵ روپے | زرسالانہ =/۹۰۰ روپے

ماہنامہ الامداد لاہور
35422213
35433049
پتہ دفتر: جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ
۲۹۱۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

ناشر: (مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی
مطبع: ہاشم اینڈ حماد پریس
۱۳/۲۰ ریٹی گن روڈ بلال گنج لاہور
مقام اشاعت
جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ لاہور پاکستان

وعظ

طریق القلندر

(حقیقت طریق القندر)(قسط اول)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اہل شہر کی درخواست پر یہ وعظ ۳۰ نومبر ۱۹۱۸ء مطابق ۲۵ صفر ۱۳۳۷ھ شب شنبہ کو درگاہ حضرت قلندر صاحب پانی پت میں چوکی پر کھڑے ہوکر فرمایا۔ دوگھنٹہ چالیس منٹ میں ختم ہوا۔ حاضرین کی تعداد چالیس ہزار کے قریب تھی مولوی حکیم محمد مصطفیٰ صاحب وخواجہ عزیز الحسن صاحب نے قلمبند فرمایا۔

طریق قلندری جو تصوف کا ایک مقبول طریق ہے اس کا صحیح مفہوم اور اس کے متعلق عام غلطی کا ازالہ کہ چار ابرو کا صفایا کرانے والے کو قلندر سمجھتے ہیں۔ اس فکر میں لگ جاؤ کہ کسی کامل مکمل کی صحبت میسر آئے، دو چیزیں لازم طریقہ ہیں، ایک عمل دوسری محبت اول میں ہمت کی ضرورت ہے اور دوسری اہل اللہ کی محبت اور ان کے عمل کی اتباع۔

نوٹ: وعظ کی طوالت کے پیش نظر دو قسطوں میں طبع کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ العزیز

خلیل احمد تھانوی

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
①	لزوم ووجوب	۷
②	مقصود وغیر مقصود	۸
③	مقصود اعظم	۹
④	ترک اعمال	۱۰
⑤	متقی اور ریا کار	۱۳
⑥	ناتمام عمل	۱۴
⑦	طریق قلندرانہ	۱۶
⑧	شبہ کا ازالہ	۱۷
⑨	طریق قلندری کے اجزاء	۱۷
⑩	قلندر کا حال	۱۸
⑪	''حر'' یعنی آزادی کے معنی	۱۹
⑫	آج کل کی آزادی	۲۰
⑬	پسندیدہ قید	۲۰
⑭	اصطلاح قلندر	۲۱
⑮	اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم	۲۲
⑯	ایک پیر بھائی	۲۳
⑰	محبت کی نشانی	۲۵
⑱	قلندر کے معنی	۲۶
⑲	اعمال سے بیزاری	۲۷
⑳	کرامت	۲۸
㉑	عمل ومحبت	۲۹

۲۲	ارادہ	۳۱
۲۳	فنا	۳۲
۲۴	غالی صوفیوں اور خشک علماء کی غلطی	۳۳
۲۵	قرآن وحدیث میں احکام تصوف	۳۳
۲۶	حکایت	۳۴
۲۷	تبدیلی قوم	۳۵
۲۸	ایک حکایت	۳۶
۲۹	حضرت غوث الاعظمؒ کی کرامت	۳۷
۳۰	ابدال کا تقرر	۳۸
۳۱	بلا مشقت مرتبہ عالی کی تمنا کی مثال	۳۹
۳۲	کامیابی تو کام سے ہوگی	۴۰
۳۳	کامیابی کا گُر	۴۰
۳۴	خدا کی قدرت وشان	۴۱
۳۵	دینداری کی بنیاد محبت ہے	۴۲
۳۶	صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں منافقین کا قول	۴۳
۳۷	ایک نومسلم	۴۳
۳۸	حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کفار کا رویہ	۴۴
۳۹	کفار کی پیش کش	۴۵
۴۰	حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جواب	۴۶
۴۱	حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام کا اثر	۴۷
۴۲	قوم کی بُعد عقلی	۴۷
۴۳	اخبار الجامعہ	۴۹

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خطبۂ ماثورہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَ مَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَ نَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارِکْ وَسَلَّمْ

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یَـٰٓأَیُّهَا ٱلَّذِینَ ءَامَنُوا۟ مَن یَرْتَدَّ مِنكُمْ عَن دِینِهِۦ فَسَوْفَ یَأْتِی ٱللَّهُ بِقَوْمٍ یُحِبُّهُمْ وَیُحِبُّونَهُۥٓ أَذِلَّةٍ عَلَى ٱلْمُؤْمِنِینَ أَعِزَّةٍ عَلَى ٱلْكَـٰفِرِینَ یُجَـٰهِدُونَ فِی سَبِیلِ ٱللَّهِ وَلَا یَخَافُونَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ۚ ذَٰلِكَ فَضْلُ ٱللَّهِ یُؤْتِیهِ مَن یَشَآءُ ۚ وَٱللَّهُ وَٰسِعٌ عَلِیمٌ ﴿٥٤﴾ إِنَّمَا وَلِیُّكُمُ ٱللَّهُ وَرَسُولُهُۥ وَٱلَّذِینَ ءَامَنُوا۟ ٱلَّذِینَ یُقِیمُونَ ٱلصَّلَوٰةَ وَیُؤْتُونَ ٱلزَّكَوٰةَ وَهُمْ رَٰكِعُونَ ﴿٥٥﴾ وَمَن یَتَوَلَّ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَٱلَّذِینَ ءَامَنُوا۟ فَإِنَّ حِزْبَ ٱللَّهِ هُمُ ٱلْغَـٰلِبُونَ ﴿٥٦﴾ ①

لزوم و وجوب

جن آیتوں کی میں نے تلاوت کی ہے ان میں ہر چند کہ مضامین متعدد ہیں،

① ''اے ایمان والو! جو شخص تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ تعالیٰ بہت جلد ایسی قوم پیدا کرے گا جن سے اللہ تعالیٰ کو محبت ہوگی اور ان کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہوگی وہ مسلمانوں پر مہربان ہوں گے، کافروں پر تیز ہوں گے، جہاد کرتے ہوں گے اللہ کی راہ میں اور وہ لوگ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروانہ کریں گے، یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو عطا فرمائیں اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والے بڑے علم والے ہیں، تمہارے دوست اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اور ایماندار لوگ ہیں جو کہ اس حالت سے نماز کی پابندی کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں کہ ان میں خشوع ہوتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے دوستی رکھے گا اور اس کے رسول ﷺ اور ایماندار لوگوں سے پس اللہ کا گروہ بلاشک غالب ہے'' سورہ المائدہ: ۵۴۔۵۵۔

مگر باوجود تعدد کے غیر مربوط نہیں بلکہ ان مضامین میں باہم ارتباط[1] ہے اور ارتباط بھی ایسا ہے کہ تابعیت اور متبوعیت یا اصالت اور فرعیت[2] کا کیا معنی کہ ان میں بعض اجزاء اصل ہیں اور بعض فروع وتوابع یا یوں کہئے کہ بعض مقصود ہیں اور بعض متمم اور مکمل[3] یا یوں کہئے کہ بعض مقصود ہیں اور بعض علامات وآثار بہر حال جس عنوان سے چاہے تعبیر کیجئے۔ حاصل یہ ہے کہ بعض مضامین اصل ہیں اور بعض تابع۔ اب اس اصل کو جس لفظ سے چاہے تعبیر کر دیا جاوے اور تابع کو جس لفظ سے چاہے تعبیر کر دیا جاوے لیکن یہ خوب سمجھ لیا جاوے کہ تابع کے یہ معنی نہیں کہ وہ مقصود نہیں بلکہ مقصود وہ بھی ہیں مگر مقصود مقصود میں فرق ہوتا ہے یعنی ایک تو مقصود ہوتا ہے من کل الوجوہ[4] اور ایک مقصود ہوتا ہے من بعض الوجوہ[5]۔ گو لزوم اور وجوب دونوں میں مشترک ہوتا ہے[6]۔ مثلاً جیسے نماز اور وضو، ہر شخص جانتا ہے کہ نماز اصل ہے اور وضو تابع اور اس کی شرط ہے مگر باوجود اس کے یہ نہیں ہے کہ وضو کسی درجہ میں بھی مقصود نہیں، یعنی اس معنی کو غیر مقصود نہیں ہے کہ بلا وضو بھی نماز کو جائز سمجھا جاوے بلکہ دونوں میں عجیب تعلق ہے کہ وضو تو بلا نماز کے صحیح ہے لیکن نماز بلا وضو کے صحیح نہیں۔ یعنی یہ تو ہے کہ بدون وضو کے نماز درست نہیں لیکن اس کا عکس نہیں ہے۔ مثلاً اگر کوئی وضو تو کر لے مگر نماز نہ پڑھے یعنی جس نماز کے لیے وضو کیا ہے اس نماز کے وقت کے اندر اس وضو سے اس نماز کو ادا نہ کرے تب بھی جب دوسرا وقت نماز کا آئے گا تو کسی مفتی کا فتویٰ نہیں کہ اس دوسری نماز کے لیے پھر وضو کرنے کی ضرورت ہے بلکہ وہی وضو کافی ہوگا، دوسری نماز کے لیے اداء اور پہلی نماز کے لیے قضاء۔ غرض وضو بلا نماز صحیح ہوسکتا ہے لیکن نماز بلا وضو صحیح نہیں ہوسکتی۔

مقصود وغیر مقصود

یہ مثال اور اس مثال کے اندر یہ خصوصیت یاد رکھنے کے قابل ہے تاکہ اجمالاً

---

① مختلف مضامین ہونے کے باوجود باہم ربط قائم ہے ② ایک تابع ہے دوسرا متبوع یا ایک اصل ہے دوسرا فرع ③ مقصود کی تکمیل کرنے والے ہیں ④ ہر اعتبار سے ⑤ بعض اعتبار سے ⑥ لازم اور واجب دونوں ہی ہیں۔

ایک غلطی معلوم ہو جاوے جو بعض لوگ اعمال کے اندر کرتے ہیں کہ مقاصد غیر مقاصد کے اندر تفصیل کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اعمال غیر مقصود کا حذف ① بھی جائز ہے یعنی آج کل یہ بات بہت زبان زد ہے کہ مقصود تو حق تعالیٰ کی یاد ہے اور نماز روزہ وغیرہ محض اس کے ذرائع ہیں اور غیر مقصود ہیں۔ چنانچہ اس زمانے میں بہت لوگوں نے یہ مشرب اختیار کر رکھا ہے اس مثال سے سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ نماز روزہ وغیرہ کا غیر مقصود ہونا ایسا ہی ہے جیسا کہ وضو کا کہ گو غیر مقصود ہے لیکن کیا اس کو جائز الحذف یا جائز الترک ② کہہ سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں بلکہ غیر مقصود ہونے کے معنی یہ ہیں کہ مقصود کے برابر نہیں اور غیر مقصود بھی محض اس درجہ میں ہے کہ نماز کا رکن اور اس میں داخل نہیں کیونکہ شرط ہمیشہ مشروط سے خارج ہوا کرتی ہے مگر بوجہ شرط ہونے کے مقصود کی مکمل و متمم ہونے کے درجہ میں یہ بھی مقصود ③ ہے۔ بہر حال مقصود کے درجات ہوا کرتے ہیں خوب سمجھ لیجئے میرے الفاظ مقصود و غیر مقصود سے شبہ ہو سکتا تھا اس کو رفع کرنا ضروری تھا۔ چنانچہ اس مثال سے اس کو رفع کر دیا گیا بلکہ اس طرح کہا جاوے تو اور زیادہ واضح ہے کہ مقصود تو سب اعمال ہیں لیکن بعض مقصود ہیں اور بعض مقصود المقصود و مقصود اعظم ہیں۔ بہر حال وہ شبہ حذف ہو گیا۔

مقصود اعظم

اب بعد حذف شبہ کے میں پھر عود کرتا ہوں ④ اپنی تقریر کی طرف یعنی جتنے اجزاء ان آیتوں میں ہیں وہ ہیں تو سب کے سب مقصود لیکن ان میں جو مضمون مقصود اعظم ہے اس کو اس وقت بیان کرنے کے لیے میں نے تجویز کیا ہے کیونکہ وہ مضمون از روئے قواعد شرعیہ کے نیز باعتبار اپنی نوع کے اصل ہے باقی مضامین اس کے متمم اور توابع اور لاحق ہیں ⑤ یہ حاصل ہے اس مضمون کا۔ اس مضمون کا حاصل مفصل تو ان

① اعمال غیر مقصودہ نہ بھی کرے تو کوئی حرج نہیں ② کیا اس کو ترک کرنا جائز ہے؟ ہرگز نہیں ③ اس کے بغیر چونکہ مقصود مکمل نہیں ہوتا اس لیے یہ بھی مقصود ہے ④ اپنے مضمون کی طرف رجوع کرتا ہوں ⑤ باقی مضامین اس مقصود کی تکمیل کرنے کے لیے بطور تابع ذکر کئے گئے۔

آیتوں میں ہے جو عنقریب بیان میں ان شاء اللہ تعالیٰ آنے والا ہے اور مجمل حاصل ایک اور بھی ہے کہ جو حضرت عراقی کے ایک شعر میں ایک دوسرے عنوان سے مذکور ہے جس کے متعلق ایک دوست نے مجھے مشورہ بھی دیا تھا کہ اس شعر کا مضمون آج بیان کیا جاوے۔ وہ شعر حضرت عراقیؒ کا یہ ہے:

صنمارہ قلندر سزد ار بمن نمائی کہ دراز و دور دیدم رہ و رسم پارسائی①

اس وقت اس فرمائش کو میں نے قبول نہیں کیا تھا مگر رد بھی نہیں کیا تھا۔ وجہ یہ ہے کہ بیان بالکل اختیار میں نہیں نہ پہلے سے کوئی مضمون تجویز کیا جاتا ہے عادت اللہ ہر ایک کے ساتھ جدا ہے۔ اکثر اور غالب معاملہ اپنے ساتھ یہی دیکھا جاتا ہے کہ عین وقت پر یا قریب کوئی مضمون خود تقاضا کرتا ہے قلب میں بس اسی کا اتباع کیا جاتا ہے اور اسی کو بیان کر دیا جاتا ہے جس عنوان سے بھی میسر ہوا تو اس وقت گو اس فرمائش کو قبول نہیں کیا گیا لیکن رد کی بھی کوئی وجہ نہ تھی بلکہ ذہن خالی تھا مگر وقت کے قریب اسی مضمون کا تقاضا قلب میں پیدا ہوا میں نکتہ اس وقت یہ سمجھا تھا کہ چونکہ یہ بیان ایک بزرگ کے مزار کے قریب ہے جو بزرگ اسی لقب کے ساتھ مشہور ہیں (یعنی حضرت شرف الدین بوعلی شاہ قلندر قدس سرہ العزیز ۱۲ جامع) اس لیے یہ فرمائش کی گئی ہے۔

ترک اعمال

غرض میں یہ سمجھتا تھا کہ یہ محض شاعری نکتہ ہے اسی واسطے قلب نے اس فرمائش کو قبول نہیں کیا لیکن بعد اس کے اس کی ضرورت بھی معلوم ہوئی۔ وہ ضرورت یہ ہے کہ اس وقت مسلمانوں کی حالت دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ تر تو وہ ہیں کہ جنہیں اعمال کی طرف توجہ ہی نہیں، بہت سے ایسے دیکھے جاتے ہیں کہ نہ نماز نہ روزہ اور صرف یہ ہی نہیں بلکہ نماز روزہ کے ساتھ تمسخر بھی ہے اور استہزاء بھی ہے کوئی تہذیب کے ساتھ استہزاء کرتا ہے کوئی بدتہذیبی کے ساتھ تو فقط ترک ہی نہیں بلکہ استہزاء اور استخفاف بھی ہے اور اگر خیر استہزاء اور استخفاف نہ بھی ہو تو اخلال اور سستی اور کسل تو

① ''میرے مرشد مجھے تو طریق جذب کا رستہ دکھلایئے کیونکہ ریاضت و محنت کا معاملہ بہت دشوار معلوم ہوتا ہے''

ضرور ہے۔ استطاعت ہے اعمال کی مگر نہیں کرتے، نماز روزہ کر سکتے ہیں مگر نہیں کرتے، بدنگاہی سے بچ سکتے ہیں مگر نہیں بچتے غیبت سے بچ سکتے ہیں مگر نہیں بچتے پرائے حقوق سے بچ سکتے ہیں مگر نہیں بچتے سب وشتم ① لڑائی جھگڑا، مکر وفریب ② ان سب سے بچ سکتے ہیں مگر نہیں بچتے، کثرت سے تو ہم لوگوں کی یہی حالت ہے کہ گویا اعمال ہیں ہی نہیں بلکہ بجائے ان کے دوسرے اعمال ہیں یعنی معاصی ③ میں مبتلا ہیں اور زیادہ ایسے ہی ہیں مگر اس کے ساتھ ان لوگوں کو اپنے اعمال و طاعات کا دعویٰ بھی نہیں اس لیے یہ لوگ اتنے زیادہ قابل شکایت نہیں جتنے قابل شکایت وہ لوگ ہیں کہ انکے یہاں اعمال بھی ہیں، تقویٰ بھی طہارت بھی اور اپنے کو عابد وزاہد بھی سمجھتے ہیں مگر ان اعمال میں روح نہ ہونے سے وہ اعمال ایسے ہیں جیسے بادام بلامغز یا دودھ ④ بلا روغن ⑤ ان کے حال پر زیادہ تاسف ⑥ ہے اور وہ زیادہ قابل رحم ہیں۔ دو وجہ سے ایک تو یہ کہ بیچاروں نے محنت بھی کی، مشقت بھی اٹھائی، مجاہدے بھی کئے مگر افسوس پھر بھی مقصود حاصل نہ ہوا، سارے دن چلے دھوپ سہی خاک پھانکی، پیروں میں آبلے پڑے۔ مگر منزل پھر بھی نہ قطع ہوئی۔ مجھے یاد ہے کہ میرے ایک عزیز نے رات کو سفر کا قصد کیا، سواروں میں نوکر تھے، رخصت قریب ختم تھی، ملازمت پر واپس جارہے تھے، بھتیجے نے کہا بھی کہ اندھیری رات ہے اس وقت نہ جائے پریشان ہو جائے گا لیکن نہیں مانا، کہا تم بچہ ہو، کیا سمجھ نوکری کا معاملہ ہے۔ رخصت ختم ہوگئی ہے میں کیسے رک سکتا ہوں؟ بھتیجے نے کہا بہت اچھا جائے مگر پریشان ہو جائے گا خیر صاحب چلے وہاں سے رات ایسی اندھیری کہ چل تو رہے مگر کچھ پتہ نہیں کہ کدھر جارہے ہیں، دو چار میل ٹھیک چلے کیونکہ اپنے گاؤں سے اتنی دور تک تو راستہ ہر شخص کو معلوم رہتا ہے، بے دیکھے بھی آدمی جا سکتا ہے، مگر آگے چل کر خدا معلوم رخ کس طرف کو ہو گیا کہ راستہ بھولے اور ایسے بھولے کہ بھولنے کو بھی بھول گئے اور بھولنا تو وہی ہے کہ بھولنے کو بھی بھول جاوے۔ چنانچہ رستہ بھول کر خدا جانے کہاں کے کہاں پہنچے اور بالآخر خدا جانے کیسا چکر کھایا کہ پھر اسی راستے کو ہو لئے

① گالم گلوچ ② دھوکہ فراڈ ③ گناہ ④ بغیر گری کے بادام ⑤ بغیر چکنائی کے دودھ ⑥ افسوس ہے۔

جس سے روانہ ہوئے تھے۔ اب وہ تو سمجھ رہے ہیں کہ ہم آگے کو چل رہے ہیں اور حقیقت میں ہٹ رہے ہیں پیچھے، غرض ساری رات گھوم گھام کر صبح لوٹ کر پھر وطن شریف ہی میں آپہنچے، صبح صادق کا وقت تھا، ان کے مکان کے قریب جامع مسجد ہے جو بہت کرسی دار ہے اور اس کے فنا میں ① ایک برگد کا درخت ہے، جامع مسجد کو دیکھ کر کہا کہ اخاہ یہ کون سا گاؤں ہے جس کی مسجد بھی ایسی ہی ہے جیسی ہمارے گاؤں کی، پھر برگد ملا کہا ارے میاں یہ تو درخت بھی ویسا ہی ہے جیسا ہمارے گاؤں کا، یہ گاؤں تو ہمارے وطن کا مذکر ② ہے، بھائی یہ گاؤں بہت اچھا ہے، آگے بڑھے تو اپنا سا مکان بھی معلوم ہوا۔ اب سمجھ میں آیا کہ یہ کیا قصہ ہے، بھتیجے صاحب مکان سے نکل کر نماز کو جارہے تھے، انہوں نے کہا السلام علیکم کہا کون فلانے کہا ہاں! کہا میاں یہ تو بتاؤ میں ہوں کہاں، کہا وہیں ہو جہاں میں ہوں اور کہاں ہوتے۔ کہا ارے میاں میں تو رات بھر چلتا رہا اور پھر گھر کے گھر ہی میں رکھے ہوئے لا حول ولا قوۃ یہ تو بڑی واہیات ہوئی، بھتیجے نے کہا میں نے آپ سے کہا نہ تھا لیکن آپ نے مانا ہی نہیں تو بڑا افسوس ہے ایسے مسافر پر جو ساری رات تو سفر کرے اور صبح کو پھر وہیں آجاوے جہاں سے چلا تھا، تھکا بھی ماندہ بھی ہوا وقت بھی صرف ہوا، پھر بھی وہیں کا وہیں جہاں پہلے تھا۔ خیر یہاں یہ بات تو نہیں ہے کہ یہ شخص بالکل مشابہ ہے اس مسافر کے یہاں راستہ کچھ نہ کچھ قطع تو ہوتا ہے لیکن بالکل ناتمام ③ یعنی ایسے جیسے چھکڑے کی چال کہ صبح سے شام تک تو چلا اور کتنا آیا دس میل اور ایک ریل ہے کہ اتنے میں دوسو میل نکل گئی۔ اب یہ دیکھنا چاہیے کہ ریل اور چھکڑے کی رفتار میں جو اس قدر تفاوت ہے ④ تو اس کا سبب کیا ہے؟۔ ریل میں آخر وہ چیز کیا ہے جس نے اس کی رفتار کو اس درجہ تک پہنچا دیا ہے سبب اس تفاوت رفتار کا یہی ہے ریل میں مشین لگی ہوئی ہے اسی نے اس کو ہوا بنا رکھا ہے اگر چھکڑے میں بھی ویسی ہی مشین لگا دیں تو اس میں بھی وہی بات پیدا ہو جاوے گی۔ بالخصوص جبکہ اس میں مشین لگانا ممکن بھی ہو اور سہل بھی ہو تو حسرت ہے اور اس شخص پر جو پھر بھی مشین نہ لگائے۔

① اس کے کنارے ② یاد دلانے والا ③ راستہ طے تو ہوتا ہے لیکن نہ ہونے کے برابر ④ فرق۔

متقی اور ریا کار

پھر ایسے لوگوں میں بھی بعض تو وہ ہیں جو متقی پرہیز گار ہیں اور بعضے ایسے ہیں جو محض ریا کار ہیں جس میں ریا اور نمائش ہے، اس کی تو بالکل ایسی ہی مثال ہے جیسی اس مسافر کی اور بعینہ وہی حالت ہے کیونکہ ریا حابط عمل ہے ① ۔ گو فرض تو سر سے اتر جاتا ہے لیکن مقبول نہیں ہوتا اور مقصود مقبولیت ہی ہے جب مقبول ہی نہ ہوا تو وہ پھر عمل ہی کیا ہوا وہ تو لاشئ ② محض ہوا اس کی تو وہ پہلی ہی مثال ہے۔ چنانچہ جو لوگ محض نمائش کے لیے عمل کرتے ہیں یعنی فقط اس واسطے کہ لوگ کہیں کہ صاحب یہ بڑے عمل کرنے والے ہیں، ان کی بابت حدیث شریف میں وارد ہے فرماتے ہیں جناب رسول کریم ﷺ کہ قیامت میں سب سے اول ایک ایسے شخص کو لایا جاوے گا جو شہید ہوا ہوگا اللہ کے راستے میں اس کو بتلایا جاوے گا کہ ہم نے تم کو یہ یہ نعمتیں دی تھیں وہ ان سب نعمتوں کا اقرار کرے گا، پھر اس سے پوچھا جاوے گا کہ ہم نے تو تم کو یہ یہ نعمتیں دیں اور تم نے اس میں عمل کیا کیا؟ وہ عرض کرے گا کہ میں نے آپ کی راہ میں جہاد کیا یہاں تک کہ اپنی جان دیدی، ارشاد ہوگا کہ تم جھوٹے ہو ہم کو خوش کرنے کے لیے جان نہیں دی (بل لیقال انك جری) بلکہ اس لیے جان دی کہ سب میں یہ شہرت ہو جائے کہ بڑے بہادر تھے۔ (فقد قیل) تو تمہاری تعریف اور شہرت ہو چکی جو تمہارا مطلب تھا وہ دنیا ہی میں تم کو حاصل ہو چکا، دوم تمہارا مدعا پورا ہو گیا، پھر حکم ہوگا کہ اس کو منہ کے بل جہنم میں پھینک دیا جاوے۔ پھر بلایا جاوے گا ایک بڑے عالم کو اسی طرح اس سے پوچھا جاوے گا کہ کہئے صاحب آپ نے کیا کیا؟ وہ کہے گا میں نے یوں وعظ کہئے، یوں نصیحتیں کیں، یوں لوگوں کو ہدایت کی اور یوں علم سکھایا۔ ارشاد ہوگا یہ ہمارے واسطے نہیں کیا (بل لیقال انك قاری) بلکہ اس واسطے کہ لوگوں میں مشہور ہو کہ بڑے عالم ہیں۔ بس تو آپ بھی وہیں تشریف لے جایئے جہاں آپ کے بھائی صاحب گئے ہیں۔ ذرا غور تو کیجئے یہ آیا ہے حدیث میں کہ اس کو بھی منہ کے بل جہنم میں پھینک دیا جاوے گا۔ پھر

① دکھاوا عمل ضائع کر دیتا ہے ② بیکار محض۔

ایک سخی صاحب لائے جاویں گے، ان سے بھی یہی سوال کیا جاوے گا، وہ کہے گا کہ میں نے بہت مال و دولت اللہ کے راستے میں خرچ کیا تھا، ارشاد ہوگا کہ اس واسطے نہیں کیا کہ ہم راضی ہوں (بل ليقال انك جواد) بلکہ اس واسطے کہ لوگ کہیں کہ بڑے سخی ہیں۔ ان کی داد و دہش کا کیا کہنا ہے بس سارے شہر میں وہی تو ایک سخی ہیں اگر کوئی اور بھی سخی ہوگا تو فلانے کے برابر نہیں ہوگا (فقد قيل) سو جو تمہارا مقصد تھا وہ حاصل ہو چکا۔ لہٰذا تم بھی وہیں جاؤ جہاں تمہارے دو بھائی جا چکے ہیں۔ چنانچہ اس کو بھی جہنم میں منہ کے بل پھینک دیا جاوے گا تو حضرت یہ تین عمل کتنے بڑے بڑے ہیں، علم دین، سخاوت، شہادت۔ اب ان سے بڑھ کر اور کون سا عمل ہوگا لیکن دیکھ لیجئے ریا کی بدولت ان کی کیا گت بنی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس شخص کا عمل صرف صورت عمل ہے حقیقتاً عمل ہی نہیں اور واقعی جو لوگ محض ریا کار ہیں ان کا تو وہی حال ہے کہ

از بروں چوں گور کافر پُرحلل　　واندروں قہر خدائے عزوجل
از بروں طعنہ زنی بر بایزید　　و از درونت ننگ می دارد یزید①

ناتمام عمل

ان لوگوں کی تو یہ حالت ہوئی اور بعض وہ لوگ ہیں جن کے عمل ریا سے تو نہیں ہیں خلوص کے ساتھ ہیں مگر ناتمام اور غیر مکمل، گویا جسد بلا روح ہیں، خیر وہ کچھ ہیں تو سہی مگر ایسے ہی ہیں جیسے چھکڑے② کی رفتار بمقابلہ ریل کے تو اگر کوئی نادان ایسا ہو کہ اس کو ریل عطا کی گئی ہو جس میں انجن بھی ہے اور سامان آگ کا بھی موجود ہے مگر صرف آگ ڈالنے اور مشین چلانے کی کسر ہے۔ اگر اس میں آگ چھوڑ دی اور بھاپ پیدا کر دی تو پھر وہ ریل ہے کہ صبح سے شام تک دو سو تین سو میل نکل گئی بلکہ زیادہ نہیں تو بس ایک ٹھیلہ ہے③ تو انجن بھی موجود آگ کا سامان بھی موجود ہے لیکن بیوقوف ڈرائیور ہے کہ اس کو ٹھیلتا ہے④۔ ٹھیلنے کے لیے اول تو نیچے اترنا پڑتا ہے پھر بہت کچھ زور بھی لگانا

① ''باہر سے تو کافر کی قبر کی طرح آراستہ ہے اور قبر کے اندر خدا کا قہر و غضب ہے، ظاہر میں تو بایزید بسطامی پر طعنہ کرتا ہے اور تیری اندرونی حالت سے یزید بھی شرماتا ہے''② بیل گاڑی ③ دھکا دے کر چلانے والی گاڑی ④ دھکیل رہا ہے۔

پڑتا ہے۔ گو اس طرح ٹھیلنے سے بھی وہ چلتی ہے کیونکہ آخر لوہے کی سڑک پر ہے مگر کتنی؟ صبح سے شام تک دو تین چار میل، بس اور جہاں چھوڑ دیا، بس کھڑی ہوگئی اگر فوراً نہیں تو کچھ دور اور چل کر سہی۔ غرض ٹھیلنے سے دن بھر میں دو چار میل چل سکتی ہے اور بہت سے بہت دس میل، اگر کوئی بہت ہی قوی ہوا اور برابر چلا گیا دھکیلتا ہوا تو اس شخص مذکور کی حالت اس کے مشابہ ہے اور یہ حالت بھی قابل افسوس ہے ہم نے بہت لوگ ایسے دیکھے ہیں کہ تقویٰ بھی طہارت بھی، ظاہری حالت بھی درست، ڈاڑھی بھی نیچی، پائنچے بھی ٹھیک نماز بھی، روزہ بھی، یہ سب کچھ مگر ساتھ ہی اس کی روح جس کو میں آگے بیان کروں گا وہ نہیں، غرض ہر عمل بے روح ہے یعنی کم جان ہے، گو بالکل بے جان نہیں اس کی رفتار ایسی ہی سست ہے جیسی ٹھیلہ کی۔ حق سبحانہ تعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ نے ایک انجن گاڑی اس شخص کو دی جس کی کلیں ① بھی بہت اچھی اچھی ہیں، بھاپ بنانے کے لیے سب سامان بھی دیا، کوئلہ بھی، پانی بھی، دیا سلائی بھی مگر آگ سلگائے کون اور بھاپ بنائے کون؟ اس کی بلاستی کی وجہ سے ہاتھ پاؤں کو اتنی حرکت دینا بھی گراں ہو رہا ہے تو یہاں کسر ② کا ہے کی ہے۔ صرف بھاپ کی اور آگ سلگانے کی چونکہ بھاپ نہیں اس لیے رفتار تیز نہیں، اس وقت اسی بھاپ کو ذکر کیا جا رہا ہے اور یہی مراد ہے میری روح سے اور بھاپ نہ تو موجود ہے نہ اس کی فکر و کوشش ہے اسی کو حضرت عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس شعر میں ذکر کیا ہے اشارۃً

صنمارہ قلندر سزدار بمن نمائی کہ دراز دور دیدم رہ و رسم پارسائی ③

تو یہ ضرورت میری سمجھ میں آئی اس مضمون کی اور اس لیے یہ مضمون باوقعت معلوم ہوا کہ اس میں ایک بڑی کوتاہی کی تکمیل ہے اور اسی وجہ سے اس کو اختیار کیا گیا اور اس ضروری چیز کی شرح اور تعین میں آگے چل کر کردوں گا مگر اجمالاً حضرت عراقیؒ کے اس شعر سے سمجھ میں آجاوے گی۔ اصل تو یہ وجہ ہے اس شعر کے مضمون کو اختیار کرنے کی، باقی اس میں وہ شاعری نکتہ بھی ہے جس کی بنا پر میرے دوست نے مجھے مشورہ دیا تھا یعنی

① پرزے ② کمی کس چیز کی ہے ③ ''میرے مرشد مجھے تو طریق جذب کا رستہ دکھلایئے کیونکہ ریاضت و محنت کا راستہ بہت دشوار معلوم ہوتا ہے''۔

مقام بیان① میں ۔اس لقب کے ایک بزرگ کا مزار② ہونا مگر ممکن ہے ان کا ذہن بھی اس مضمون کی ضرورت کی طرف گیا ہو۔ بہر حال دو نکتے جمع ہو گئے، ایک تو یہ کہ فی نفسہٖ بھی یہ مضمون ضروری ہے، دوسرا خصوصیت مقام سے اس کا استحسان اور بڑھ جانا کیونکہ جس مقام پر یہ بیان ہو رہا ہے وہاں ایک ایسے بزرگ کا مزار مبارک ہے جو اس لقب قلندر ہی کے ساتھ مشہور ہیں۔ نیز ایک برکت کی بھی ان شاء اللہ تعالیٰ توقع ہے پھر چونکہ یہ وعظ ایک بزرگ کے ساتھ نامزد ہے اس لیے بھی امید اس مضمون کے نافع ہونے کی ہے مگر یہ سب درجہ تائید وتزئین میں ہے۔ یہ نکتے درجہ مقصودیت میں نہیں بلکہ اصل مقصود یہ ہے کہ مجھے اس وقت اس طریق کو بیان کرنا ہے جس کے متعلق ہم میں کمی ہو رہی ہے اور جس کی طرف اب ہمارا التفات③ نہیں رہا اس وجہ سے یہ مضمون اختیار کیا گیا ہے۔

طریق قلندرانہ

توحق سبحانہ تعالیٰ نے جو مضمون اس آیت میں ارشاد فرمایا ہے وہ اس طریق کی تفصیل ہے۔ البتہ قرآن میں یہ اصطلاح نہیں ہے اور یہ ہر شخص کو اختیار ہے کہ جو اصطلاح چاہے مقرر کر لے تعبیر کرنے والے کو اختیار ہے جس اصطلاح میں چاہے کسی مضمون کو تعبیر کرے، گو اس آیت میں یہ اصطلاح نہیں ہے لیکن یہ مضمون ہے وہی۔ چنانچہ تفصیل سے معلوم ہو جاوے گا لیکن اس کے قبل ممکن ہے کہ کسی کو اس شعر کے متعلق ایک شبہ ہو اس کو رفع کیے دیتا ہوں۔ وہ شبہ یہ ہے کہ حضرت عراقیؒ نے اس شعر میں رہ قلندر اور رہ پارسائی کو متقابل④ فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں:

صنمارہِ قلندر سزدار بمن نمائی⑥

اے مرشد مجھ کو قلندر کا رستہ بتلا دیجئے۔

کہ در از و دور دیدم رہ و رسم پارسائی⑥

---

① جس جگہ بیان ہو رہا ہے ② درگاہ حضرت قلندر صاحبؒ پانی پتی ③ جس کی طرف ہم متوجہ نہیں ④ ایک دوسرے کا مقابل بیان کیا ہے ⑤ ''میرے مرشد مجھے تو طریق جذب کا راستہ دکھلایئے'' ⑥ ''کیونکہ ریاضت ومحنت کا راستہ دشوار معلوم ہوتا ہے''

کیونکہ رستہ پارسائی کا تو بہت دور دراز ہے۔ یہ ترجمہ ہے اس شعر کا اس سے شبہ ہوسکتا ہے کہ قلندر کا رستہ پارسائی کے رستہ کے مقابل ہے۔ تو گویا اس طریق قلندری میں پارسائی نہ ہوئی ہوگی۔ یعنی آدمی بالکل آزاد اور رند بے قید ہو جاتا ہوگا۔ اسے ڈاڑھی رکھنی بھی ضروری نہ رہتی ہوگی اس پر نماز بھی فرض نہ رہتی ہوگی، شراب بھی اسے حلال ہوجاتی ہوگی۔ غرض حلال حرام کی بالکل تمیز نہ رہتی ہوگی۔ شاید طریق قلندری کا خلاصہ ذہنوں میں یہ ہوگا تو اللہ بچاوے ایسے طریق سے۔

شبہ کا ازالہ

غرض کسی کو یہ شبہ ہوسکتا ہے اس شعر کے مضمون سے اس کو پہلے رفع کیے دیتا ہوں کیونکہ اس کا رفع کرنا فی نفسہٖ بھی ضروری ہے۔ نیز اس کی اس بیان میں بھی ضرورت ہوگی جو مجھے اس وقت کرنا ہے اور یہ اس بیان میں معین بھی ہوگا۔ اب یہاں ضرورت ہے تھوڑے سے علم درسی کی مگر خیر میں حتی الامکان آسانی سے سمجھانے کی کوشش کروں گا کہ غیر اہل علم بھی بقدر ضرورت سمجھ سکیں، تقریر اس کی یہ ہے کہ عراقیؒ کے شعر میں جو طریق قلندری و طریق پارسائی میں تقابل واقع ہوا ہے وہ ظاہر سیاق سے تبائن ① پر ضرور دال ہے جس کے لیے عدم تصادق لازم ہے ② لیکن تبائن و عدم تصادق کے لیے تبانی و عدم اجتماع ③ ضروری نہیں، دیکھئے کل میں اور اس کے اجزاء خارجیہ میں تبائن و عدم تصادق متحقق ہے لیکن تنافی نہیں اور اجتماع ہوتا ہے جیسے بیت کے لیے جدار اور سقف ④ اجزاء خارجیہ ہیں جن میں باہم تصادق نہیں ⑤ بلکہ تقابل ہے لیکن ایک کل ہے اور دوسرا جزو اور دلائل سے ثابت ہے جس کا کافی بیان اس وعظ میں بھی ہے۔

طریق قلندری کے اجزاء

طریق قلندر کے دو جزو ہیں ایک عمل جو حقیقت ہے طریق پارسائی کی اور

---

① ایک دوسرے کے مقابل ہونے پر ② دونوں پر اس کا صادق نہ آنا لازمی ہے ③ ایک دوسری کی نفی اور دونوں کا جمع نہ ہونا لازم نہیں آتا ④ گھر کے لیے دیواریں اور چھت خارجی اجزاء ہیں ⑤ جو ایک دوسرے پر صادق نہیں آتے یعنی دیوار کو چھت نہیں کہہ سکتے۔

دوسرا محبت اور طریق قلندر نام ہے ان دونوں کے مجموعہ کا اور چونکہ یہ اجزاء خارجیہ ہیں ان میں تصادق تو نہیں مگر کلیت و جزئیت ① کا تعلق ہے پس طریق قلندر کل ہوا اور طریق پارسائی اس کا ایک جزو ہوا، جزء کے انتفاء سے کل کا انتفاء لازم ہے پس طریق پارسائی جہاں منتفی ہوگا وہاں طریقِ قلندری بھی منتفی ہوجاوے گا سو حاصل شعر کا یہ ہوا کہ محض طریق پارسائی کافی نہیں جو کہ ایک جزو ہے طریق قلندری کا۔ بلکہ طریق قلندری مطلوب ہے جس میں دونوں جزء جمع ہیں طریق پارسائی بھی اور طریق محبت ② بھی پس اب کوئی شبہ باقی نہیں رہا، باقی اب دوسری تحقیق ہے کہ ان دونوں میں اصل کون ہے محبت یا اعمال اس کا فیصلہ بھی ہوا جاتا ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ یہاں اتنا ہی سمجھ لیجئے کہ طریق قلندر وہ طریق ہے جو مرکب ہو محبت اور اعمال دونوں سے۔

قلندر کا حال

آگے ایک اصطلاحوں کا فرق ہے جو اصطلاح متقدمین میں پائی جاتی ہے اس کے اعتبار سے رہِ قلندر میں یہ بھی قید ہے کہ جس میں اعمال کی تقلیل ہو یعنی اعمال ظاہرہ مستحبہ ③ کی، کیا معنی کہ بہت نفلیں اور وظائف نہ ہوں بلکہ محبت کی خاص رعایت ہو، یعنی تفکر اور مراقبہ زیادہ ہو۔ ایک تو یہ اصطلاح ہے اور ایک اصطلاح اور ہے یعنی خواہ ان اعمال کی تکثیر ④ بھی ہو مگر غلبہ آزادی کو ہو لیکن آزادی خلق ⑤ سے نہ کہ خالق سے۔ کیا معنی کہ قلندر کو دنیا کی وضع اور رسوم کی پروا نہیں نہ مصالح پر نظر ہوتی ہے۔ مثلاً ہم یہ بھی نظر کرتے ہیں کہ بھائی ایسا نہ کہو کوئی کیا کہے گا اور مثلاً ہم لوگ یہ بھی سوچتے ہیں کہ فلانے کو کچھ کہو مت برا مانے گا۔ وحشت ہوگی بھائی مگر بشرطیکہ ان رعایتوں کا شریعت سے اذن بھی ہو اور قلندر کو اس کی کچھ پروا نہیں ہوتی کہ کوئی برا مانے گا یا بھلا مانے گا اس کا دل صاف اور سادہ ہوتا ہے غرض وہ آزاد ہوتا ہے مصالح سے اس کی مصلحت صرف ایک ہوتی ہے۔

---

① ایک دوسرے پر صادق تو نہیں آتے لیکن ایک کل ہے اور دوسرا جزء ہے ② قلندری میں نیک اعمال اور محبت دونوں جمع ہیں ③ ظاہراً مستحب اعمال میں کمی کرتا ہو ④ مستحب اعمال بھی زیادہ کرتا ہو ⑤ مخلوق سے آزاد ہو خالق سے نہیں۔

مصلحت دید من آنست کہ یاراں ہمہ کار بگذارند و خم طرہ یارے گیرند①

اس کی بڑی مصلحت یہی ہوتی ہے کہ ایک کو لے کر سب کو ترک کر دو، اس کی تو بس یہ حالت ہوتی ہے۔

دل آرامے کہ داری دل دروبند دگر چشم از ہمہ عالم فروبند②

اور اس کا یہ مشرب ہوتا ہے:

ہمہ شہر پر زخوباں منم و خیال ما ہے چہ کنم کہ چشم بدخو نہ کند بہ کس نگاہے③

سوائے محبوب کے کسی پر اس کی نظر ہی نہیں پڑتی۔ بجز ایک کے سارے جہان کو انہوں نے ہیچ اور فنا کر دیا ہے۔ جب انہوں نے اپنے ہی کو ہیچ اور فنا کر دیا تو پھر دوسرے پر کیا نظر کریں۔ کہتے ہیں کہ

عاشق بدنام کو پروائے ننگ و نام کیا اور جو خود نا کام ہو اس کو کسی سے کام کیا④

جب اپنی ہی ہستی مٹادی تو دوسروں کی ہستی کی انہیں کیا پروا۔ مشہور ہے کہ جب اپنی ہی ٹوپی اتار دی تو پھر دوسروں کی ٹوپی کی کیا پروا، جب وہ اپنی ہی ہستی مٹا چکا تو دوسروں کی ہستی کی پروا ہو اس کی جوتی کو ایسے شخص کو اصطلاح صوفیہ میں حر کہتے ہیں۔

''حر'' یعنی آزادی کے معنی

بعض صوفیائے کرام نے قرآن مجید سے ایسے لطیفہ نکالا ہے۔ حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ کے اس قول سے ''رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ ۚ ⑤ اس کا یہ تھوڑا ہی مطلب ہے کہ وہ غلام تھا اب اسے آزاد کرتی ہوں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! میں اسے تیرے ہی لیے خاص کرتی ہوں اے اللہ تعالیٰ یہ خالص تمہارا ہے تمہارے دین کی خدمت میں ساری عمر رہے گا، تو حر کے معنی خالص کے

---

①''مصلحت دید میری یہ ہے کہ تمام دوست دنیا کو چھوڑ دیں اور صرف یار کی زلف کو پکڑ لو''②''اے دل جس کو تو دوست رکھتا ہے اس میں دل لگا اور تمام جہان سے آنکھیں بند کر لے''③''تمام شہر حسینوں سے بھرا ہوا ہے اور میں ایک چاند ہی کے خیال میں محو ہوں کیا کروں میں، کاش کہ بدخو کی نظر کسی پر نہ پڑتی''④''جب اپنی ہی ہستی مٹادی تو دوسروں کی ہستی کی انہیں کیا پروا''⑤''اے اللہ! میں تیرے نذر کرتی ہوں جو کچھ میری نیت میں ہے اور تیرے راستے میں اسے آزاد کرتی ہوں'' آل عمران: ۳۵

ہوئے چنانچہ اہل لغت نے لکھا ہے، طین حر یعنی وہ مٹی جس میں کنکر وغیرہ نہ ملا ہو، حر خالص مٹی کو کہتے ہیں، یہاں بھی حر کے معنی ہیں خالص اللہ کا اور اب تو خالص کے وہ معنی ہو گئے جو نخالص کے ہیں۔

آج کل کی آزادی

یعنی اس کے جو اصل معنی ہیں اس معنی کو نہیں جیسے عوام پوچھتے ہیں کہ یہ گھی نخالص① ہے بیچنے والا کہتا ہے کہ ہاں بالکل نخالص ہے ایسے ہی احرار کی دو قسمیں ہیں ایک خالص ایک نخالص، نخالص کون؟ جس میں میل ہو، میل کا ہے کا ہو؟ میل ہو حُب دنیا② کا میل ہو حُبِّ غیر کا میل ہو معصیت کا، شرک و کفر کا، یعنی آج کل آزاد اس کو کہتے ہیں جو شریعت سے آزاد ہو اللہ اکبر! ایسا شخص بھی کہیں آزاد کہا جاسکتا ہے۔ حضرت یہ تو وہ آزاد ہے جو ہزاروں قیدوں میں ہے یعنی معصیتوں میں مبتلا ہے، پھر آزادی کہاں رہی کیونکہ معصیت کی قید تو سب قیدوں سے سخت قید ہے۔

پسندیدہ قید

غرض بے قید کوئی نہیں، کوئی خدا کی قید میں ہے کوئی شیطان کی قید میں بہر حال قید سے تو خالی کوئی نہیں، اب اس کا فیصلہ خود کرلو کہ کونسی قید پسند کے قابل ہے۔ حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اسیرش نخواہد رہائی زبند شکارش نہ جوید خلاص از کمند③

اور مولانا فرماتے ہیں:

گردو صد زنجیر آرے بکسلم غیر زلف آں نگار مقلم④

یعنی اگر سینکڑوں قیدوں میں بھی ڈال دیا جاؤں تو ساری قیدیں توڑ ڈالوں مگر

---

① یہ غلط العوام کی قسم سے ہے کہ عوام میں لفظ نخالص خالص کے معنی میں مستعمل ہو گیا ہے جبکہ اس کا مطلب خالص نہ ہونا ہے لیکن عوام جس چیز کے خالص ہونے کو معلوم کرنا چاہتے ہیں تو اس کو نخالص کہتے ہیں ② ''دنیا کی محبت کا میل غیر کی محبت کا میل گناہوں کا میل ③ ''اس کا قیدی قید سے آزادی نہیں چاہتا اس کا شکار کمند سے رہائی نہیں چاہتا'' ④ ''اگر دو سو زنجیروں میں جکڑ دیا جائے تو ساری توڑ ڈالوں مگر معشوق کی زلف کو توڑنا گوارہ نہیں''

معشوق کی زلف کی قید کہ اس کو توڑنا ہرگز گوارہ نہ کروں کیونکہ یہ قید تو محبوب قید ہے۔ غرض قید بھی دو طرح کی ہوتی ہے ایک تو محبوب قید اور ایک ناگوار قید۔ دیکھو تو سہی اگر عاشق کو کسی دعوت کے لیے پکڑو تو وہ اسے توڑ کر بھاگے گا کہ ہمیں دعوت سے کیا مطلب ہم تو آزاد ہیں۔ اب فرض کرو اسی رو میں محبوب بھی آ گیا اور اس نے بھی کہا کہ چلو میاں تمہاری آج دعوت ہے ہمارے یہاں اور وہ اس سے بھی کہہ دے کہ نہیں جناب میں تو آزاد ہوں، میں دعوتوں میں نہیں جایا کرتا کوئی اس سے کہے کہ ارے احمق جس کی بدولت تو آزاد ہوا ہے اسی کے یہاں تو آج دعوت ہے جس کے لیے تو نے سارے تعلقات قطع کیے، آج کی دعوت اسی شخص کے تعلق سے مسبب ہے اس کی دعوت میں بھی جانے سے تو آزاد بنتا ہے تو تو عاشق ہی نہیں۔ یہ اچھی آزادی ہوئی صاحب کہ نماز بھی چھوڑ دی، روزہ بھی چھوڑ دیا یہ آزاد کہاں سے ہوا، یہ تو ہزاروں قیدوں کے اندر جکڑا ہوا ہے، آزاد وہ ہے جو غیر اللہ سے آزاد ہو جو خالص اور حر ہو تو قلندر کے یہ معنی ہیں۔

اصطلاح قلندر

خلاصہ یہ کہ متقدمین کی اصطلاح میں تو قلندر وہ ہے جس میں اعمال غیر واجبہ کی تقلیل ہو اور متاخرین نے اس کے معنی میں وسعت کی ہے، یعنی قطع نظر اس سے کہ اعمال میں تقلیل ہو یا تکثیر ہو لیکن خلق سے آزاد ہو اور یہ دونوں اصطلاحیں جدا جدا ہیں لیکن ایک نکتہ کی بنا پر یہ دونوں اصطلاحیں متوافق بھی① ہو جاتی ہیں یعنی یہ جو کہا جاتا ہے کہ قلندر کے اعمال میں تقلیل ہوتی ہے تو قلت اور کثرت امور اضافیہ میں سے ہیں یعنی بمقابلہ دوسرے اہل اعمال کے تو وہ عمل میں بھی بڑھا ہوا ہے یعنی اوروں سے تو اس کا عمل بھی غالب ہے لیکن خود اس میں جو محبت اور عمل دو چیزیں جمع ہیں ان میں محبت کا حصہ عمل سے بڑھا ہوا ہے۔ پس اس کمی کا یہ مطلب نہیں کہ عمل میں فی نفسہٖ کوئی کمی ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ گو عمل بھی بہت بڑھا ہوا ہے لیکن محبت میں اس سے زیادہ بیشی② ہے۔ عمل تو کامل ہے ہی مگر محبت کامل سے بھی آگے یعنی اکمل ہے اس تقریر سے یہ دونوں

① متحد ② محبت اس سے بھی بڑھی ہوئی ہے۔

اصطلاحیں باہم متوافق ہوگئیں، اب ایک اور تیسری اصطلاح جہلاء کی ہے جو بالکل بدعت ہے کہ قلندر وہ ہے جو چار ابرو کا① صفایا کر دے اور نماز روزہ سب کو رخصت کر دے ایسے شخص کو جہلاء کہتے ہیں کہ صاحب یہ قلندر ہیں استغفر اللہ! وہ کیا قلندر ہوتا؟ ہاں اگر کوئی معذور ہو، غیر مکلف ہو، مثلاً مجنون ہے، دیوانہ ہے تو وہ مستثنیٰ ہے یعنی خدا کے یہاں اس سے کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔ یہ دوسری گفتگو ہے کہ آیا وہ کامل بھی ہے۔ سو یہ خوب سمجھ لیجئے کہ نہ وہ کامل ہے نہ مکمل② کیونکہ مکمل ہونے کے لیے خود کامل ہونا ضروری ہے، تکمیل کے لیے کمال شرط ہے جو خود ہی درزی کا کام نہ جانتا ہو وہ دوسرے کو سینا کیونکر سکھا سکتا ہے۔

اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم

تو مجاذیب③ اور بہلول جو ہوتے ہیں چونکہ یہ خود کامل نہیں ہوتے لہٰذا دوسرے کی تکمیل بھی نہیں کر سکتے کامل اور مکمل وہی ہے جو قدم بقدم ہو جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے جس کا ظاہر ہو مثل ظاہر پیغمبر کے اور باطن ہو مثل باطن پیغمبر کے۔ یعنی ہر امر میں اور ہر حال میں پیغمبر ہی اس کے قبلہ وکعبہ ہوں۔ اس کے ظاہر کا قبلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ظاہر ہو اور اس کے باطن کا قبلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا باطن ہو۔ اس کو خوب سمجھ لیجئے دیکھئے تو سہی نماز کی صحت کے لیے قبلہ رخ ہونا ضروری ہے ہاں قبلہ سے تھوڑا فرق ہو تو خیر مضائقہ نہیں نماز صحیح ہو جاوے گی ۔ چاہے رکعتیں بھی زیادہ نہ پڑھے اور چاہے قرآت میں بھی کچھ تقلیل ہو مگر ہو قبلہ رخ، تب ہی نماز کی صحت متحقق ہو گی اور اگر مشرق کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی تو چاہے رکعتوں کی تعداد بھی زیادہ ہو اور قرآت میں بھی تطویل ہو لیکن نماز صحیح نہ ہوگی دیکھو یہ مسجد بنی ہوئی ہے (بیان مسجد سے متصل ہو رہا تھا ۱۲ جامع) اس کی سمت کی طرف نماز صحیح ہو جاتی ہے وجہ یہ کہ مسجد خانہ کعبہ کی طرف گویا منہ کیے ہوئے ہے لہٰذا جو کوئی اس کی سمت کی طرف اپنا منہ کر کے نماز پڑھے گا چاہے دو رکعت ہی کیوں نہ ہوں اس کی نماز صحیح ہو جاوے گی۔ برخلاف اس کے اس مسجد کی سمت کے مقابل مشرق کی جانب اگر آپ اس مسجد کی ایک شکل بنا کر④

---

① بھنویں پلکیں مونڈ کر نماز روزہ ترک کردے ② نہ خود کامل ہے نہ دوسرے کو کامل کرسکتا ہے
③ مجذوب ④ یعنی قبلہ تو مغرب کی طرف سے انہوں نے مسجد کی محراب مشرق کی طرف کردی یعنی مخالف سمت۔

(کیونکہ وہ مسجد کیا ہوگی مسجد کی محض شکل ہی ہوگی) اس میں نماز پڑھیں جس میں اتنی لمبی لمبی سورتیں ہوں کہ ایک رکعت میں تو سورہ بقرہ ہو دوسری میں سورہ آل عمران، پھر تیسری میں سورہ نساء اور چوتھی میں سورہ مائدہ غرض چار رکعتوں میں یہ بڑی بڑی چار سورتیں ختم کی گئیں اب آپ ہی کہیے یہ نماز کیسی ہوئی؟۔ بالکل ہیچ در ہیچ اس پر ثواب تو کیا ملتا بلکہ اور عذاب ہوگا تو اس نماز میں کیا چیز کم ہے فقط کمی یہ ہے کہ رخ قبلہ سے ملا ہوا نہیں ہے اس کے سوا اور کسی کی کمی نہیں، شکل بھی نماز کی، مسجد کی بھی ساری ہیئت وہی لیکن تحریف قبلہ کے سبب وہ نماز ہرگز مقبول نہیں بلکہ مردود ہے، نماز بھی اور نمازی بھی تو ہمارے اعمال کا قبلہ وکعبہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال ہیں جس عمل کا رخ اس قبلہ کی طرف ہوگا وہی مقبول ہوگا۔ پس ہمارے ظاہر کا قبلہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ظاہر ہے اور باطن کا قبلہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا باطن یعنی ہماری ظاہری حالت وہ ہونی چاہیے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حالت تھی، یعنی آپ کپڑا پہنتے تھے، ہمیں بھی ننگا نہیں رہنا چاہیے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ڈاڑھی رکھتے تھے ہماری ڈاڑھی بھی منڈی یا کٹی نہ ہونی چاہیے، آپ کے ٹخنے کھلے ہوئے رہتے تھے ہمارے بھی کھلے رہنے چاہئیں اور یہ ہی نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ٹخنے کھلے رہتے تھے بلکہ یہ بھی ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹخنے ڈھانکنے سے منع بھی فرمایا ہے۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ناخن ترشے ہوئے اور لبیں ① بنی ہوئی رہتی تھیں۔ یہ ہی حالت ہمارے ناخن اور لبوں کی ہونی چاہیے، غرض ہمارا ظاہر بالکل مشابہ ہونا چاہیے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہر کے کہ بس صورت دیکھتے ہی معلوم ہو جاوے کہ یہ غلام ہے ایسے آقا کا۔

ایک پیر بھائی

ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید الٰہ آباد کے رہنے والے تھے میں الٰہ آباد گیا ہوا تھا، وعظ کے اندر دیکھتا ہوں کہ ایک بوڑھے شخص ڈاڑھی منڈی ہوئی خوب گورے چٹے گوٹہ ٹھپے کے کپڑے پہنے ہوئے بیٹھے ہیں، جاڑے کے

① مونچھیں مُنڈی ہوئی

دن تھے، رضائی جو اوڑھے ہوئے تھے اس پر بھی گوٹہ ① اور پیمک ② لگی ہوئی تھی۔ وعظ کے بعد میرے پاس آ کر بڑی محبت سے بولے کہ مولوی منہ کھول دے میں نے دل میں کہا جب یہ ایسی محبت سے کہہ رہا ہے تو لاؤ منہ کھول دو، میرا کیا بگڑتا ہے، کوئی تھوک تو دے گا نہیں، غرض میں نے اپنا منہ کھول دیا، اس نے فوراً ہی ایک لڈو میرے منہ میں رکھ دیا، میں نے کھا لیا کہ خدا کی نعمت ہے کسی کے ہاتھ سے دلوائیں۔ میں نے پوچھا تم کون ہو، یہ سنتے ہی اس کی آنکھ سے آنسو جاری ہو گئے، تھا صاحب محبت، غلطی میں مبتلا تھا، مکار نہ تھا، دکاندار نہ تھا، زار زار آنسو بہہ رہے تھے، وہ خود ہی شرمندہ تھا اپنی اس حالت پر رو کر کہا اس نالائق کو بندہ امداد اللہ کہتے ہیں مجھ کو بھی رحم آ گیا، آخر پیر بھائی کا خیال ہوتا ہی ہے اور نہ بھی ہوتا پیر بھائی تو کیا تھا جو شرارت اور سرکشی نہ کرے اور اپنے آپ کو خطا وار سمجھے اس پر رحم ہی آتا ہے۔ البتہ شرارت کرنے والے پر غصہ آتا ہے، خیر میں نے ان سے بات چیت کی اور مناسب تسلی دی اس وقت تو ان سے مفصل گفتگو کرنے کا موقع ملا نہیں، اتفاق سے ایک مرتبہ میں گنگوہ گیا ہوا تھا، وہ بھی وہاں چلتے پھرتے آ گئے، میری جو خبر سنی تو اطلاع کر کے مع ایک مجمع عظیم کے میرے پاس پہنچے اور آتے ہی پھولوں کا ہار میرے گلے میں ڈال دیا، میں نے ہار تو ہاتھ میں لے لیا اور انبساط ③ کے لیے پوچھا یہ کیسے ہیں، کہا ہم ایک باغ میں گئے تھے، عوام الناس ایسوں کے بڑے معتقد ہوتے ہیں، سمجھتے ہیں کہ قطب الاقطاب ہیں، ارے قطب الاقطاب ہوتے تو ڈاڑھی کہاں جاتی مگر ان کے نزدیک تو ڈاڑھی کا نہ ہونا ہی دلیل قطبیت کی ہے۔ اگر یہ بات ہے تو پھر سارا چین اور جاپان بس اقطاب اور اغواث ہی سے بھرا پڑا ہے کیونکہ وہاں قدرتی طور پر کسی کے ڈاڑھی مونچھ نکلتی ہی نہیں۔ غرض ایسوں کو برکت کے لیے کوئی باغ لے جاتا ہے کوئی کھیتوں پر لے جاتا ہے۔ ان حضرات کو بھی کوئی اپنے باغ لے گیا ہوگا۔ غرض انہوں نے کہا کہ ہم ایک باغ میں گئے تھے، باغ والے نے پھول دیدیئے تھے، سو کچھ تو حضرت شیخ عبد القدوس رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر چڑھائے جی چاہا کہ کچھ

① چاندی کے تاروں کی پتلی لیس ② سنہرا گوٹا جو بچوں کی ٹوپیوں پر لگایا جاتا ہے ③ سرور۔

تمہیں بھی دیں کیونکہ وہ پیارے تھے مردوں میں، تم پیارے ہو زندوں میں ، اپنے پیاروں کو اچھی چیز دیا ہی کرتے ہیں ۔ یہ انہوں نے تقریر کی ۔ بڑا مجمع تھا میں نے کہا شاہ صاحب یہ پھول جو آپ نے شیخ کے مزار پر چڑھائے ہیں آپ کے نزدیک تو بڑی چیز ہیں لیکن ایک مثال فرض کرو اگر کوئی شخص ہو جو سو روپیہ تولہ کا عطر سونگھنے والا ہو اور تم چار آنہ تولہ کا عطر بہت ہی گھٹیا اور چکٹا ہوا لے جاؤ اور جا کر اس کی ناک میں دے دو تو کیسا؟ کیا یہ ایذاء رسانی نہیں ہے؟ کہا بیشک میں نے کہا اچھا اب یہ بتاؤ کہ حضرت شیخ تمہارے نزدیک شمائم وروائح جنت ① سے مشرف ہیں یا محروم ہیں؟ کہنے لگے معاذ اللہ! کون کہہ سکتا ہے کہ محروم ہیں، میں نے کہا تو بس یہ جو پھول تم نے حضرت شیخ کے مزار پر چڑھائے ہیں، دو حال سے خالی نہیں یا تو ان کی خوشبو پہنچتی ہے یا نہیں پہنچتی ہے۔ اگر نہیں پہنچتی تو پھول چڑھانا بیکار اور اگر پہنچتی ہے تو ان جنت کے پھولوں کے مقابلہ میں جو حضرت شیخ کو حاصل ہیں تمہارے یہ دنیا کے پھول سو روپیہ تولہ کے عطر کے مقابلہ میں چار آنہ تولہ کا چکٹا ② ہوا عطر ہے یا نہیں۔ کہا بیشک، میں نے کہا تو بس یہ تو وہی مثال ہوئی کہ سو روپیہ تولہ کے عطر سونگھنے والے کی ناک میں چار آنہ تولہ کا سڑا ہوا عطر دے دیا، تم نے پھول چڑھا کر حضرت شیخ کی روح کو تکلیف پہنچائی، کہنے لگے میں توبہ کرتا ہوں یہ مسئلہ آج سمجھ میں آیا ہے اب کبھی کسی مزار پر پھول نہ چڑھاؤں گا میری توبہ ہے۔

محبت کی نشانی

اس کے بعد ہم لوگ نماز کے لیے مسجد میں گئے لوگ وضو کرنے لگے اور وہ ایک طرف بیٹھ گئے، میں ان کے پاس جا بیٹھا اور آہستہ سے کہا کہ تم میرے پیر بھائی ہو اس لیے تم سے ایک بات پوچھتا ہوں کہ تمہیں حضرت حاجی صاحب سے محبت ہے یا نہیں، بس رونے لگے کہ میں تو عاشق ہوں، میں نے کہا پھر عاشق ہو کر کیوں اپنے محبوب کی مخالفت کرتے ہو، کیا حضرت حاجی صاحب کی ایسی ہی ڈاڑھی تھی، کہا میں توبہ کرتا ہوں کہ میں اب کبھی ڈاڑھی نہیں منڈواؤنگا۔ صاحب انہوں نے ڈاڑھی منڈانے سے

① جنت کی خوشبوؤں اور راحت میں ہیں ② گھٹیا۔

بھی توبہ کر لی، میں اس شبہ میں رہا کہ کہیں منہ دیکھنے کی توبہ تو نہیں ہے مگر پھر جو میرا الٰہ آباد جانا ہوا تو رستہ میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص خوب مقطع ڈاڑھی لیے ہوئے سامنے سے چلے آ رہے ہیں، میں نے پہچانا بھی نہیں، ایک شخص نے بتایا کہ یہ فلانے ہیں، تب تو میں بہت خوش ہوا اور بغل گیر ہو کر ملا تو ان کی اصلاح اسی اصول سے کی گئی کہ جب تمہاری صورت حضرت حاجی صاحبؒ جیسی نہیں پھر تم ان کے عاشق کیا ہوئے۔

قلندر کے معنی

تو قلندر کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اپنا ظاہر حضور ﷺ کے ظاہر کے خلاف رکھے نہ بزرگوں کے کلام میں کہیں اس کے یہ معنی منقول ہیں محض لغو اصطلاح ہے اور اس غلط اصطلاح کے ہونے سے ایک اور خرابی ہوگئی وہ یہ کہ جن بزرگان دین کا جن میں کہ علماء بھی تھے قلندر لقب ہو گیا چنانچہ حضرت قلندر صاحب، صاحب مزار بھی عالم تھے، عوام ان کی نسبت اس لفظ کو سن کر یہ سمجھتے ہیں کہ معاذ اللہ یہ حضرات بھی ایسے ہی ہوں گے کہ نہ ڈاڑھی نہ مونچھ نہ نماز نہ روزہ، لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ حاشا وکلا یہ حضرت نہایت متبع سنت اور پابند شریعت تھے اور کوئی بزرگ بھی ایسے نہیں ہوئے جنہوں نے اتباع سنت نہ کیا ہو حتی کہ اگر غلبہ حال سے کبھی اتباع میں کچھ کمی بھی ہوگئی ہے تو اپنی اس حالت کو ناقص سمجھا ہے اور کبھی اس پر اصرار نہیں کیا نہ کہ نعوذ باللہ اس کو قصداً اختیار کرتے۔ غرض یہ بالکل تہمت ہے کہ بعض بزرگوں کا طریق خلاف شریعت بھی رہا ہے۔ سب بزرگوں کا ایک ہی طریق رہا ہے اور وہ طریق شریعت ہے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں: ''كل ماردته الشريعة فهي زندقة'' یعنی جس حال یا جس مقال کو شریعت رد کرے وہ بالکل الحاد اور زندقہ ہے۔ حضرت خواجہ عبداللہ انصاری فرماتے ہیں

بر ہوا پری مکسے باشی بر آب روی خسے باشی
دل بدست آر کہ کسے باشی

اگر بزور کرامت ہوا پر بھی اڑو گے تو کیا ہے گویا مکھی ہو جاؤ گے کہ وہ بھی تو ہوا میں بلا تکلف اڑتی ہے پانی پر چلو گے تو یوں سمجھو کہ ایک تنکا ہو گئے کیونکہ وہ بھی تو پانی کی

سطح پر بہتا ہوا جاتا ہے ہاں اپنے دل کو قابو میں کرو تب انسان بنو گے اور اسی قسم کے بہت سے اقوال ہیں میری کتاب تعلیم الدین میں جمع ہیں اس میں دیکھ لیجئے۔

اعمال سے بیزاری

حضرت جنیدؒ سے کسی نے کہا کہ ایک قوم ہے جو یہ کہتی ہے "نحن وصلنا فلاح حاجة لنا الى الصلوة والصيام" ہم واصل ہو گئے ہیں لہٰذا ہمیں حاجت نہیں رہی نماز کی اور نہ روزہ کی۔ حضرت جنیدؒ نے اس کے جواب میں فرمایا" صدقوا في الوصول ولكن الى سقر "یہ تو وہ سچ کہتے ہیں کہ واصل ہو گئے ہیں لیکن جہنم واصل ہوئے ہیں۔ خدا واصل نہیں ہوئے پھر ارشاد فرمایا" ولو عشت الف عام لما تركت من اورادى شيئا الا بعذر شرعى "یعنی اگر ہزار برس بھی میں زندہ رہوں تب بھی نماز تو بڑی چیز ہے کیونکہ فرض ہے۔ وظیفے جو محض مستحب ہیں بلکہ بعض مستحب کے درجہ میں بھی نہیں یہ بھی کبھی نہ چھوڑو۔"الا بعذر شرعى "ہاں کوئی عذر شرعی لاحق ہو جاوے تو مجبوری ہے ورنہ کوئی وظیفہ تک بھی کبھی نہ چھوڑوں ۔ چنانچہ حضرت جنیدؒ اخیر عمر تک ہاتھ میں تسبیح رکھتے تھے، دیکھئے وظیفہ تو وظیفہ تسبیح رکھنا بھی عمر بھر نہ چھوڑا حالانکہ تسبیح کا رکھنا نہ سنت نہ مستحب کچھ بھی نہیں نہ موقوف علیہ کسی وظیفہ کا نہ کسی وظیفہ کے لیے شرط، نہ منتہی ہو جانے کے بعد حضرت جنیدؒ کو اس کی حاجت باقی رہی تھی کیونکہ مبتدی کے لیے تو خیر وہ آلہ تذکر ① بھی ہو سکتی ہے۔ منتہی تو تذکر میں راسخ ہو جاتا ہے اس لیے منتہی کے شان میں لکھا گیا ہے۔ خلوت و چلہ بر و لازم نماند ② مگر اس پر بھی حضرت جنیدؒ نے اس اپنی ابتداء کی حالت کو بھی نہ چھوڑا۔ کسی نے عرض بھی کیا کہ حضرت اب تو آپ منتہی اور واصل کامل ہو چکے ہیں اب آپ کو ہر وقت ہاتھ میں تسبیح لیے رہنے کی کیا ضرورت ہے۔ فرمایا ارے اس تسبیح ہی نے تو مجھے واصل بنایا ہے اور اس درجہ تک پہنچایا ہے پھر کیا اب اس رفیق کو چھوڑ دوں، اس کی بدولت تو یہاں تک پہنچے کیا اس کو رخصت کر دوں۔ اس نے تو محبوب تک پہنچایا ہے تو پھر یہ بڑی ناشکری ہے کہ آج اس کو

① ذکر کی یاد دہانی کا آلہ ② اس کے لیے تنہائی اور چلہ کشی لازم نہیں۔

جواب دیدوں، اللہ اکبر! کیسے تھے یہ حضرات جناب یہ آئمہ طریق ہیں، کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ ناواقف تھے یا خشک ملّا تھے۔ یہ لوگ بڑے بڑے عارف کامل اور عاقل گزرے ہیں ان کے یہ اقوال وافعال ہیں۔

کرامت

حضرت جنیدؒ کی خدمت میں ایک شخص دس برس رہا، چلتے وقت عرض کیا کہ حضرت میں نے اتنی مدت خدمت میں قیام کیا لیکن کبھی کوئی کرامت آپ کی نہیں دیکھی۔ میں نے سنا تھا کہ آپ بہت بڑے کامل ہیں اسی لیے خدمت میں حاضر ہوا تھا کہ کچھ فیض حاصل کروں گا مگر اتنی مدت قیام کو گزر گئی کوئی کرامت آپ سے کبھی صادر نہ ہوئی۔ یہ سن کر آپ کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا، جوش میں آ کر فرمایا کہ اچھا یہ بتلا جنیدؒ سے تو نے اس عرصہ میں کوئی فعل سنت کے خلاف ہوتے بھی کبھی دیکھا ہے؟ اس نے کہا نہیں، یہ بات تو نہیں دیکھی۔ اس پر آپ نے جوش میں آ کر فرمایا ارے پھر اس سے بڑھ کر جنیدؒ کی اور کیا کرامت ہوگی کہ اس نے دس برس تک اپنے خدا کو ایک لحہ کے لیے بھی ناراض نہیں کیا اس سے بڑھ کر اور کیا کرامت تو جنید کی دیکھنا چاہتا ہے۔ واقعی اس سے بڑھ کر کیا کرامت ہوسکتی ہے حقیقی کرامت تو یہ ہی ہے، بڑی کرامت تو استقامت ہے۔ ''الاستقامة فوق الكرامة''[1] اسی واسطے خدا تعالیٰ نے یہ دعا تعلیم فرمائی ہے: اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ [2] اور صراط اہل الکرامت [3] نہیں فرمایا۔ خوب سمجھ لو شریعت کا اتباع کسی حال میں متروک نہیں، سب بزرگوں کا اس پر اتفاق ہے حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی طریق چشتیہ کے کتنے بڑے شیخ اور صاحب حال و قال درویش ہیں انہی کے مکتوبات کو دیکھ لو، کوئی مکتوب شرع کی تاکید اور ترغیب سے خالی نہیں، غرض یہ طریقہ تھا بزرگوں کا تو یہ معنی قلندر کے بالکل گھڑے ہوئے ہیں کہ نہ نماز، نہ روزہ، نہ ڈاڑھی ہو نہ مونچھ، غرض دراصل صرف دو

---

[1] ''استقامت کرامت سے بڑھ کر ہے'' [2] ''ہمیں سیدھے راستہ پر چلا، ان لوگوں کے راستہ پر جن پر تو نے انعام فرمایا'' [3] اہل کرامت کے راستہ پر چلا نہیں فرمایا۔

اصطلاح صحیح ہیں جن کی حقیقت کی تفصیل میں پہلے عرض کر چکا ہوں، ایک کتابی اصطلاح ہے ایک زبانی، ایک کتاب میں ہے اور ایک اگر چہ کتاب میں نہیں لیکن مستند حضرات کی زبان پر ہے۔ چنانچہ حضرت عراقی نے بھی اپنے شعر میں اس دوسری ہی اصطلاح کو لیا ہے۔

عمل و محبت

اس اصطلاح میں خلاصہ طریق قلندر کا یہ ہے کہ وہ جامع ہوتا ہے اعمال اور محبت کا، عمل اور محبت کے تفاوت کی ایسی مثال ہے جیسے ریل گاڑی کا بدون بھاپ کے ٹھیلنے ① سے چلنا اور جیسے بھاپ سے چلنا۔ اگر انجن میں بھاپ نہیں ہے تو ریل ڈھکیلنے سے بھی چلے گی تو ضرور مگر کتنی؟ زیادہ سے زیادہ دو چار چھ یا آٹھ دس میل اور وہ بھی بمشکل اور اگر انجن میں بھاپ ② ہے تو بس چھوٹتے ہی اڑ گیا، ساری گاڑیوں کو لے کر ہوا کی طرح۔ ولایتی ڈاک کی رفتار نہیں دیکھی، آخر اس میں کیا چیز زیادہ ہے؟ اس میں اور ایک ٹھیلہ گاڑی میں جس کو مزدور چلاتے ہیں، کیا فرق ہے؟ بس یہ فرق ہے کہ ایک میں بھاپ ہے اور ایک میں بھاپ نہیں ورنہ پہیے مشین گاڑیاں سب چیزیں ویسی ہی ہیں۔ مگر فرق کیا ہے دونوں میں صرف بھاپ کا فرق ہے اگر ولایتی ڈاک میں بھی بھاپ نہ رہے تو وہ بھی ٹھیلہ ہے، تو عمل مثل گاڑی کے ہے اور محبت گویا بھاپ ہے جو بمنزلہ گاڑی کی روح کے ہے تو اصل چیز ریل میں بھاپ ہی ہوتی ہے لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ پہیے توڑ کر رکھ دو، اگر کہیں پہیے توڑ کر رکھ دیے تو بھاپ کا نہ ہونا تو خیر اتنا مضر بھی نہیں لیکن ایسی حالت میں بھاپ کا ہونا ہی بس غضب ہے۔ دیکھو ریل کبھی پٹڑی پر سے اترتی ہے تو اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں کبھی تو یہ ہوتا ہے کہ ہاتھوں سے ٹھیلتے ہوئے لیے جا رہے ہیں، زور کی آندھی آئی یا کوئی اور سبب ہو گیا کہ پہیے لین سے اتر گئے اب چونکہ اس وقت وہ بھاپ کے زور سے نہیں چل رہی ہے اس لیے لین سے بھی اترے گی تو زمین کے اوپر ہی چلنے لگے گی اگر زمین سخت ہوئی ورنہ زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ کھڑی ہو رہے

① بغیر انجن ھکا دے کر چلانا ② گیس یا بجلی بھری ہوتی ہے۔

گی اور اگر کہیں خدانخواستہ ایسا ہوا کہ بھاپ کے زور میں اڑی چلی جارہی تھی کہ پہیہ لین سے اتر گیا تو بھاپ کی یہ برکت ہوئی کہ پہیے زمین کے اندر گھس گئے پرزے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے ڈرائیور اور سواریاں سب ہلاک ہوگئیں ایک قیامت برپا ہوگئی۔ تو بس بھاپ موجود ہونے کی صورت میں اگر یہ لین پر رہی تب تو مسافت کو نہایت سہولت اور امن و عافیت اور تیزی کے ساتھ قطع کرتی رہے گی اور اگر کہیں لین کو چھوڑ دیا تو واللہ قیامت برپا ہو جاوے گی۔ مشین کا بھی گاڑیوں کا بھی، چلانے والے کا بھی مسافروں کا بھی سب کا تہس نہس ہو جاوے گا تو اس مثال میں گویا تین حالتیں ہوئیں ایک تو یہ کہ بھاپ نہیں ہے لیکن لین پر ہے، اس صورت میں رفتار ضرور آہستہ ہوگی لیکن خیر کوئی خطرہ بھی نہیں ۔ دوسری حالت یہ ہے کہ بھاپ تو اس میں ہے لیکن لین پر نہیں ہے۔ یہ بس قیامت کا سامنا ہے اور ایک حالت ہے نور علیٰ نور، وہ یہ کہ بھاپ بھی ہو اور لین پر بھی ہو۔ سبحان اللہ یہ ہے البتہ لطف، تو اے صاحبو! جس نے اپنی ریل میں بھاپ تو پیدا کر لی لیکن اس کو لین پر سے اتار دیا واللہ وہ نہایت خطرناک حالت میں ہے اور وہ بھاپ کیا ہے؟ وہ بھاپ ہے محبت۔ جیسا کہ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں اور لین کیا ہے؟ لین ہے صراط مستقیم شریعت کی یعنی جس نے محبت تو پیدا کر لی لیکن اعمال شریعت کو رخصت کر دیا۔ وہ قطع طریق تو کیا کرتا اور الٹا اس نے اپنے آپ کو ہلاکت باطنی میں ڈال دیا اور جس نے محبت تو پیدا نہیں کی لیکن عمل شریعت پر کرتا رہا تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے بلا بھاپ کی ریل کے ٹھیل رہے ہیں اول تو رفتار نہایت سست پھر جہاں ٹھیلنا چھوڑ دیا بس رک گئی اس لیے یہ بھی کچھ نہیں اے صاحب! عمل کو اور محبت کو دونوں کو جمع کر لو۔ یہ البتہ ہوگی وہ ریل جس میں بھاپ بھی ہے پہیے بھی ہیں اور لین پر بھی ہے۔ پھر دیکھو کیسی جلدی مسافت قطع[1] ہوتی ہے تو میں نے ریل کی مثال میں جو یہ کہا تھا کہ بھاپ اصل چیز ہے اس کے یہ معنی نہ تھے کہ پہیوں کی ضرورت نہ رہی اسی طرح محبت کو جو میں نے کہا ہے کہ اصل چیز ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ فقط محبت کافی ہے عمل کی حاجت نہیں بلکہ بھاپ کے اصل ہونے کے یہ معنی ہیں کہ پہیوں کی تیزی کا ذریعہ یہی ہے بغیر اس کے رفتار میں تیزی ممکن ہی نہیں۔

[1] سفر طے ہوتا ہے۔

لیکن اگر سرے سے پہیے ہی ندارد ہوں ① تو نری بھاپ کیا کر سکتی ہے۔ سوائے اس کے کہ وہیں کے وہیں سی سی بھک بھک ہوتی رہے اس لیے جس میں محض جوش وخروش ہے اس میں سوائے اس کے حق حق اور الا اللہ، الا اللہ کے نعرے لگا لیے اور بھی کچھ ہے۔ نفع کیا اس سے غل شور تو بہت مگر ہیں وہیں جہاں پہلے تھے تو نفع کیا اس جوش وخروش سے؟ یہ جوش وخروش تو ایسا ہی ہے جیسا اس ریل کا جس کے انجن میں آگ بھی دہک رہی ہے بھاپ بھی بھری ہوئی ہے مگر کسر ہے تو کیا کہ پہیے ٹوٹ گئے ہیں تو وہ بیچاری سوائے اس کے کھڑی دھواں دیئے جائے اور ٹیں ٹاں ٹیں ٹاں کیے جاوے اور کیا کر سکتی ہے؟ جہاں صبح تھیں حضرت وہیں شام اور جو گاڑی بے بھاپ کی چلی جارہی ہے، اس میں غل و شور تو بہت نہیں مگر راستہ آناً فاناً قطع ہو رہا ہے۔ کاش جس گاڑی میں بھاپ تھی پہیے بھی درست ہوتے اور لین پر بھی ہوتی تب لطف تھا کہ ایک ساتھ کلکتہ جا کر دم لیتی اور اب تو نری بھاپ بالکل بیکار ہے۔

ارادہ

تو محبت کو جو میں نے اصل کہا ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ وہ اعمال کی تکمیل کا بلکہ خود اعمال کا بھی ذریعہ ہے کیونکہ یہ یقینی بات ہے کہ بدون محبت کے اعمال کا صدور بھی ممکن نہیں۔ حتیٰ کہ محبتِ ضعیف یعنی محبت کا ادنیٰ درجہ وہ ہے جس کو ارادہ کہتے ہیں اور یہ مسلّم مسئلہ فلسفہ کا ہے کہ بلا ارادہ کے کوئی عمل وجود میں آ ہی نہیں سکتا، ہر عمل کے لیے صدور سے قبل ارادہ کا متعلق ہونا شرط ہے تو محبت کا ادنیٰ درجہ ارادہ ہوا۔ مثلاً ہم نے جب چاہا اور ارادہ کیا تو محبتِ ضعیف متحقق ہوگئی کیونکہ چاہنے ہی کو تو محبت کہتے ہیں گو تڑپ نہ ہو، یہ تو ادنیٰ درجہ کی محبت ہوئی جس کے بدون درجہ کا عمل ہی صادر نہیں ہوسکتا اور اعلیٰ درجہ کی محبت یہ ہے کہ

تو درد گم شو وصال این ست وبس　　گم شدن گم کن کمال این است وبس ②

---

① پہیے ہی نہ ہوں ② ''تو اس میں فنا ہو جا یہی وصال کافی ہے اپنا گم ہو جانا بھول جا انتہائی کمال ہے''

فنا

گو یا فنا کا درجہ جس کو کہتے ہیں وہ اعلیٰ درجہ ہے محبت کا یعنی تمام تعلقات غیر اللہ اس قدر مغلوب ہو جائیں کہ کوئی نہ معبود ہونے میں شریک رہے جو حاصل ہے۔ لا الہ الاّ اللہ کا اور نہ مقصود ہونے میں شریک رہے جو حاصل ہے فَلْيَعْمَلْ عَمَلاً صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا ① کا اور نہ سالک کی نظر میں موجود ہونے میں شریک رہے جو حاصل ہے۔ ''کل شيء هالك الا وجهه ② کا جب اسم فاعل کو معنی حال پر محمول کیا جاوے کما هو احد الوجوه في التفسير پس اول ادنیٰ درجہ کی محبت پیدا ہوئی اس سے عمل ادنیٰ درجہ کا ہوتا ہے پھر اس عمل کی برکت سے محبت کا اس سے قوی درجہ پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس سے پہلے درجہ سے قوی عمل پیدا ہوتا ہے۔ اسی طرح سلسلہ بڑھتا چلا جاتا ہے تو ترتیب یوں ہوئی کہ اول محبت ضعیف سی ہوتی ہے جس کو ارادہ کہتے ہیں اس سے ایک عمل پیدا ہوا اور اس کے ساتھ اور بھی مؤیدات کو مدد کے لیے جمع کر لیا تو اس محبت میں اب ترقی ہوئی اس عمل کی برکت سے پھر اسی محبتِ زائد سے جو عمل پیدا ہوا اس سے اور محبت زیادہ پیدا ہوئی پھر اس محبت سے اور عمل پیدا ہوا پھر اس عمل کی اور برکت ہوئی، پھر اس سے اور عمل پیدا ہوا۔ خلاصہ یہ کہ دونوں میں یہ ترتیب رہتی ہے کہ اول محبت ضعیف پھر عمل ضعیف پھر محبتِ زائدہ پھر عمل زائد، پھر اور محبتِ زائدہ پھر اور عمل زائد، غرض ساری عمر یہ دونوں سلسلے چلتے رہتے ہیں کہ ہر عمل سے محبت اور ہر مزید محبت سے مزید عمل غرض نہ اس سے استغناء نہ اس سے ان میں سے اگر ایک چیز بھی کم ہوگئی تو بس سارا سلسلہ منقطع تو حضرت یہ تو ساری عمر کا دھندا ہے کہ محبت پھر عمل پھر محبت پھر عمل وعلیٰ ہٰذا۔ نہ اس سے کبھی فارغ نہ اس سے کبھی مستغنی یہ ہے گویا حاصل اس طریق جامع بین المحبت والعمل ③ کا جس کو حضرت عراقیؒ نے اپنے شعر میں طریق قلندر سے تعبیر کیا ہے۔ غرض ذہن میں یہ مضمون آیا تھا جو حضرت عراقیؒ کے اس شعر میں مذکور ہے جس کو

① ''پس نیک عمل کرے اور اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے'' سورۂ کہف: ۱۱۰ ② ''سوائے حق سبحانہ وتعالیٰ کی ذات کے سب فانی ہیں'' ③ یہ ہے اصل اس طریق کی جو محبت اور عمل دونوں کا جامع ہے۔

میں نے اس وقت بیان کرنے کے لیے اختیار کیا ہے پھر میں نے سوچا کہ کیا کوئی آیت بھی اس مضمون کی ہے سو الحمد للہ قرآن کی یہ آیت بھی ذہن میں آ گئی جس میں یہ ہی مضمون موجود ہے اور یہاں سے بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ تصوف کے اصول صحیحہ قرآن وحدیث میں سب موجود ہیں اور یہ جو لوگ سمجھتے ہیں کہ تصوف قرآن وحدیث میں نہیں ہے بالکل غلط ہے۔

غالی صوفیوں اور خشک علماء کی غلطی

یعنی غالی صوفیوں کا بھی یہی خیال ہے اور خشک علماء کا بھی کہ تصوف سے قرآن وحدیث خالی ہیں مگر دونوں غلط سمجھے خشک علماء تو یہ کہتے ہیں کہ تصوف کوئی چیز نہیں، یہ سب واہیات ہے، میاں بس نماز روزہ قرآن حدیث سے ثابت اسی کو کرنا چاہیے یہ تصوف صوفیوں نے کہاں کا جھگڑا نکالا ہے تو گویا ان کے نزدیک قرآن وحدیث تصوف سے خالی ہیں اور غالی صوفی یوں کہتے ہیں کہ قرآن وحدیث میں تو ظاہری احکام ہیں۔ تصوف علم باطن ہے، ان کے نزدیک نعوذ باللہ قرآن وحدیث ہی کی ضرورت نہیں۔ غرض دونوں فرقے قرآن وحدیث کو تصوف سے خالی سمجھتے ہیں، پھر اپنے اپنے خیال کے مطابق ایک نے تو تصوف کو چھوڑ دیا اور ایک نے قرآن وحدیث کو جنہوں نے قرآن وحدیث کو چھوڑ دیا انہوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ قرآن وحدیث تو محض ظاہری انتظام کی چیزیں ہیں درویشی کا ان سے کیا علاقہ؟ میاں درویشی تو چیز ہی اور ہے جو باطن سے تعلق رکھتی ہے۔

قرآن وحدیث میں احکام تصوف

اے صاحبو! کیا غضب کرتے ہو، خدا سے ڈرو اس کے متعلق میری ایک مستقل کتاب بھی ہے اول تو الحمد للہ یہ بات ہے کہ قرآن وحدیث سارا لبریز ہے تصوف [1] سے ہر تصنیف سے ظاہر ہے لیکن میں نے اس مضمون پر دو مستقل کتابیں بھی لکھی ہیں۔ ایک تو حقیقت الطریقۃ جو مدت ہوئی مکمل ہو کر شائع ہو چکی ہے جس میں

[1] تصوف کے احکام سے بھرا ہوا ہے۔

مسائل تصوف کی حقیقت احادیث سے ثابت کی گئی ہے اب ایک رسالہ مستقل اور بھی آج کل لکھ رہا ہوں جس میں صاف طور پر ظاہر کیا گیا ہے کہ تصوف کے مسائل قرآن مجید سے بھی ثابت ہیں۔ پاؤ قرآن یعنی آٹھ پارہ تو ہو گئے ہیں بائیس پارہ اور باقی ہیں۔ خدا مدد فرمائے۔ یہ رسالہ دراصل عربی میں ہے پھر خیال ہوا کہ ساتھ ساتھ اردو میں بھی ترجمہ ہوتا جائے تو اچھا ہے چنانچہ ہو رہا ہے اور وہ جو رسالہ ہے۔ حقیقت الطریقہ وہ تو اصل ہی سے اردو میں ہے تو ان دونوں کتابوں سے معلوم ہوگا کہ قرآن وحدیث لبریز ہے تصوف سے اور واقعی وہ تصوف ہی نہیں جو قرآن وحدیث میں نہ ہو۔ غرض جتنے صحیح اور مقصود مسائل تصوف کے ہیں وہ سب قرآن میں موجود ہیں کوئی آیت شاید خالی ہو جس میں ایک آدھ مسئلہ تصوف کا مذکور نہ ہو چنانچہ اسی آیت کو دیکھئے جو اس وقت تلاوت کی گئی ہے اس میں بھی تصوف موجود ہے فرماتے ہیں: ’’ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ مَن يَرْتَدَّ مِنكُمْ عَن دِينِهِۦ إلى اخر الايات[1]

حق سبحانہ تعالیٰ اپنے دین کے محفوظ ہونے کی خبر دے رہے ہیں، کوئی یہ ناز نہ کرے کہ دین کا کام ہماری وجہ سے چل رہا ہے۔ اے ایمان والو! اگر تم میں سے کوئی نعوذ باللہ دین سے پھر جاوے تو سرکاری کام بند نہ ہوگا، چاہے سارے ٹھیکیدار اور مزدور استعفیٰ دے دیں جیسے دنیا میں سارے عملے والے دفتر کا کام چھوڑ دیں تو حکام کو عین وقت پر پریشانی اور تشویش ضرور ہوتی ہے اس واسطے کہ جب عملے والے سب مخالف ہو گئے تو اب کام کس سے لیں۔ اسی طرح شبہ یہ ہوسکتا تھا کہ اگر نعوذ باللہ سب کے سب مسلمان مرتد ہو جائیں تو شاید اللہ تعالیٰ کو بھی سوچ ہو۔

حکایت

جیسے آج ہی ایک حکایت میں بیان کر رہا تھا کہ ایک نابینا حافظ نے مجھے بیان کیا کہ ہم چار آدمی نماز پڑھ رہے تھے، تین مقتدی اور ایک امام، امام صاحب کا وضو ٹوٹا، انہوں نے مجھے خلیفہ بنایا اور خود وضو کرنے چلے گئے، اب ایک امام اور دو مقتدی رہ

[1] ’’اے ایمان والو! اگر تم میں سے کوئی اپنے دین سے مرتد ہو جائے‘‘ المائدہ: ۵۴

گئے، مقتدیوں میں سے ایک نے دوسرے سے نماز کے اندر ہی چپکے سے پوچھا کہ ارے یہ کیا ہوا؟ بیچارے نے استخلاف ① امام کا مسئلہ بھی سنا نہ تھا، دوسرا نصیحت کرتا ہے کہ ارے چپ رہ! یوں بھی ہوا کرے ہے (ہوا کرتا ہے) یہ بڑے بوجھ بجھکڑ تھے، اب امام صاحب کی سنئے جو خلیفہ بنائے جانے کے لائق سمجھے گئے تھے، آپ فرماتے ہیں ارے اب میں کسے نماز پڑھاؤں؟ یہ دو ہی تو مقتدی تھے اور ان دونوں کی نماز بولنے سے فاسد ہوگئی۔ غرض اس نے بھی اپنی نماز تباہ کی تو دیکھئے ذرا سی بات میں سب کی نماز رخصت ہوگئی۔ یہاں کی نماز تو ایسی ہے کہ جب مقتدی نہ رہیں تو امام صاحب فرماتے ہیں کہ اب میں نماز کسے پڑھاؤں؟ اسی طرح اگر کسی بادشاہ سے ساری رعایا باغی ہو جائے تو اب وہ کس پر سلطنت کرے؟ یہاں کے حکام تو ایسے ہیں کہ رعایا نے ہڑتال کر دی تو بس ان کی حکومت ندارد۔ اللہ میاں کو بھی شاید کوئی نعوذ باللہ ایسا ہی سمجھتا۔

تبدیلی قوم

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہمارے یہاں یہ قصہ نہیں، دین سے پھر کر دیکھ لو، سب ایک دم سے باغی ہو جاؤ، اول تو تمہارے پھر جانے سے ہمارا کوئی کام اٹکتا نہیں اور واقعی اللہ تعالیٰ کا ہمارے ایمان اور نماز روزہ سے کیا نفع مگر خیر جیسا بھی کچھ کام ہو رہا ہے گو وہ بندوں کی ہی مصلحت کے لیے ہو رہا ہے سو اس کے متعلق بھی خداوند تعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ فرماتے ہیں کہ کسی کے مرتد ہونے سے وہ بھی نہیں رک سکتا۔ یہی حاصل ہے اس آیت کا ''يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ مَن يَرْتَدَّ مِنكُمْ عَن دِينِهِۦ ② فَسَوْفَ يَأْتِى ٱللَّهُ بِقَوْمٍ نزدیک ہی یعنی بہت جلد ایسی قوم کو اللہ تعالیٰ پیدا فرمادیں گے جس کی ایسی شان ہوگی يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُۥٓ وہ اللہ تعالیٰ کو دوست رکھیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کو دوست رکھیں گے۔ دیکھئے سوف کے ساتھ فرماتے ہیں جو تقریب کے لیے

① یہ مسئلہ سنا نہیں تھا کہ اگر دوران نماز امام صاحب کا وضوء ٹوٹ جائے تو وہ نماز نہ توڑے بلکہ کسی کو اپنا خلیفہ اشارہ سے مقرر کر کے چلا جائے تاکہ باقی لوگوں کی جماعت صحیح ہو جائے ② ''اے ایمان والو! تم میں سے جو کوئی بھی اپنے دین سے پھر جاوے'' المائدہ: ۵۴

آتا ہے یعنی فوراً اور واقعی انہیں کیا ضرورت ہے کسی انتظام یا اہتمام کی؟ ایک لفظ کن سے مولوی، شیخ، غوث، ابدال، قطب جو چاہیں بنادیں اور جس کو چاہیں بنادیں۔

ایک حکایت

چنانچہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے حضرت غوث اعظمؒ کی ایک حکایت لکھی ہے ان کے خادم کی روایت ہے کہ ایک بار اخیر شب میں حضرت اٹھے، خادم کہتے ہیں کہ میں سمجھا نماز تہجد کی تیاری کریں گے چنانچہ میں بھی اٹھا تا کہ حضرت کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے پائے، ویسے حضرت کو اپنے اٹھنے کی اطلاع نہ ہونے دی۔ واقعی بزرگوں کی خدمت ہے بڑی مشکل۔ انہوں نے جو کیا ٹھیک کیا، اطلاع کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی، کوئی احسان جتلانا تھوڑا ہی تھا، اب تو اگر کوئی خدمت کرتے ہیں تو جتلا کر کرتے ہیں حالانکہ ادب کی بات یہ ہے کہ خیال اور نگرانی تو رکھے مگر خواہ مخواہ جا کر مزاحمت نہ کرے اور تنہائی میں مخل نہ ہو خصوص اخیر رات میں تو بزرگ یہ چاہتے ہیں کہ نہ کوئی ہمیں وضو کے لیے پانی لا کر دے نہ استنجے کا ڈھیلا لا کر دے بلکہ اس وقت تو یہ جی چاہتا ہے کہ کوئی سامنے بھی نہ آئے اپنے ہاتھ سے سب کام کریں کیونکہ وہ وقت ہی ایسا ہوتا ہے۔

چہ خوش وقتے و خرم روزگارے کہ یاری برخورد از وصل یارے ①

بس اس وقت یہ جی چاہتا ہے کہ بالکل تنہائی کا عالم ہو بلکہ یہ کیفیت ہوتی ہے کہ اپنے وجود کو بھی جی چاہتا ہے کہ یہ بھی نہ رہے خود اپنا وجود بھی حجاب معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت قلندرؒ جو اس موقع کے صاحب مزار ہیں اسی مضمون کو اپنے ایک شعر میں بیان فرماتے ہیں:

غیرت از چشم برم روئے تو دیدن ندہم گوش را نیز حدیث تو شنیدن ندہم ②

---

① ''کیا اچھا وقت اور کیا اچھا زمانہ ہے کہ کوئی محب اپنے محبوب کے وصول سے لطف اندوز ہو'' ② ''لیجئے اپنی آنکھ پر بھی غصہ ہے یہ کیوں دیکھتی ہے میں ہی تجھے دیکھتا اور میں ہی تیرا کلام سنتا یہ کان کیوں سنیں''۔

واقعی صاحب یہ بھی حالت ہوتی ہے۔ حضرت عارف شیرازی بھی اس مضمون کو فرماتے ہیں اور وہ تو قسم کھا رہے ہیں۔

بخدا کہ رشکم آید دو چشم روشن خود کہ نظر دریغ باشد بہ چنین لطیف روئے ①

آنکھ پر بھی رشک آتا ہے۔ سو وہ تو وقت ہی ایسا ہوتا ہے کہ اپنے آپ کو بھی مٹانے کو جی چاہتا ہے اور اگر کوئی اپنا خادم خاص بھی اس وقت پاس کھڑا ہو تو وہ بھی پسند نہیں آتا۔ اسی واسطے مؤدب خدام یہ کرتے ہیں کہ پاس کو تو لگے رہے لیکن اس طرح کہ اپنی موجودگی کی تو خبر نہ ہونے دی لیکن جب دیکھا کہ کوئی کام مخدوم کے قابو کا نہیں ہے فوراً حاضر ہو کر شریک ہو گئے اور بعد فراغت پھر غائب۔

حضرت غوث الاعظمؒ کی کرامت

چنانچہ اس خادم نے بھی ایسا ہی کیا کہ خفیہ طور پر حضرت غوث پاک کے پیچھے پیچھے لگا رہا، ادھر حضرت نے کچھ توجہ بھی نہیں کی کہ میرے ساتھ کوئی اور شخص تو نہیں ہے۔ غرض حضرت اٹھ کر خانقاہ سے نکل کر سیدھے شہر پناہ کے پھاٹک پر پہنچے حضرت شیخ کی برکت اور کرامت سے شہر پناہ کا قفل خود بخود کھل کر گر گیا۔ حضرت کواڑ کھول کر شہر سے باہر ہو گئے۔ چند ہی قدم چلے تھے کہ ایک بڑا بھاری شہر نظر پڑا حالانکہ بغداد کے قریب کوئی اتنا بڑا شہر کہاں؟ اب خادم کو بڑی حیرت کہ یا اللہ! میں یہ کیا دیکھ رہا ہوں، لیکن بولے نہیں، چپ چاپ ساتھ چلتے رہے، یہاں تک کہ اس شہر کے اندر داخل ہو کر ایک مقام پر پہنچے وہاں ایک مکان تھا اس کے اندر داخل ہوئے اس میں چند آدمیوں کا ایک مختصر سا مجمع تھا اور ایک مسند پر تکیہ لگا ہوا تھا جیسے کسی کی آمد کا انتظار ہو رہا ہو، حضرت شیخ کو دیکھتے ہی وہ لوگ تعظیم کے لیے اٹھے اور حضرت کو مسند پر بٹھایا۔ پھر اشاروں سے کچھ عرض معروض کی جس کو حضرت ہی سمجھے، خادم کی سمجھ میں کچھ نہ آیا، اس کے بعد ایک طرف سے آواز کراہنے کی آئی آہ آہ، پھر تھوڑی دیر بعد وہ آواز بند ہو گئی، پھر کچھ دیر بعد ایسی آواز آنے لگی جیسے پانی ڈالنے کی ہوتی ہے، پھر وہ بند ہو گئی، پھر تھوڑی دیر بعد

① ''خدا کی قسم مجھے اپنی دونوں روشن آنکھوں پر رشک آتا ہے کہ ایسے حسین سے میری نظر دور ہی رہتی''

ایک حجرہ کھلا اور اس کے اندر سے ایک جنازہ نکلا جس کے ہمراہ چند آدمی تھے ان میں ایک بوڑھے نورانی شکل کے بزرگ بھی تھے۔ حضرت شیخ کے سامنے جنازہ رکھا گیا، حضرت نے نماز جنازہ پڑھائی، پھر وہ لوگ جنازہ کو لے گئے، ادھر یہ لوگ جنہوں نے حضرت شیخ کا استقبال کیا تھا پھر آ کر سب حضرت کے گرد بیٹھ گئے اور اسی طرح اشاروں میں دوبارہ پھر کچھ عرض کیا اس پر حضرت شیخ اس وقت گردن جھکا کر مراقب ہوئے، تھوڑی دیر گزری تھی کہ ایک زنار دار ① شخص عیسائی لباس پہنے ہوئے حاضر ہوا، آپ نے اپنے دست مبارک سے اس کا زنار توڑ دیا اور کلمہ شریف پڑھا کر اس کو مسلمان کیا پھر حاضرین سے ارشاد فرمایا کہ یہ ہے۔ پھر حضرت اس جگہ سے اپنے مکان پر لوٹ آئے خادم کو اسی ادھیڑ پن میں اور حیرت میں صبح ہوگئی کہ اے اللہ! یہ کیا قصہ ہے؟ یہ حضرت کی خدمت میں کچھ سبق بھی پڑھتے تھے کیونکہ پہلے درویش اکثر عالم بھی ہوتے تھے تو چونکہ یہ خادم محض مرید نہ تھے بلکہ شاگرد بھی تھے اس لیے دل کھلا ہوا تھا کیونکہ یہ علاقہ شاگردی استادی کا بے تکلفی کا ہوتا ہے بہ خلاف پیری مریدی کے تعلق کے کہ اس میں اتنی بے تکلفی نہیں ہوتی۔

ابدال کا تقرر

چنانچہ انہوں نے رات کے واقعہ کے متعلق دریافت کیا کہ حضرت یہ کیا معاملہ تھا؟ مجھے اس قدر حیرت ہے کہ میرے حواس درست نہیں، فرمایا کہ وہ شہر موصل تھا جو بغداد سے بہت دور ہے لیکن حق تعالیٰ نے میرے لیے اسے بالکل قریب کر دیا اور طے ارض ② ہو گیا اور وہ مجمع جنہوں نے میرا استقبال کیا ابدال ③ تھے اور ان ہی میں سے

① وہ دھاگہ یا زنجیر جو عیسائی اور مجوسی گلے یا بازوؤں میں ڈالے رہتے ہیں ② زمین سمیٹ کر دور دراز علاقہ قریب کر دیا ③ ابدال ایک قسم ہے اولیاء اللہ کی جو شام میں رہتے ہیں اور وہ چالیس آدمی ہوتے ہیں جب کوئی شخص ان میں سے مرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسرا شخص بدل دیتے ہیں ان کی برکت سے بارش ہوتی ہے ان کی برکت سے اعداء پر غلبہ ہوتا ہے۔ ان کی برکت سے اہل شام سے عذاب ہٹ جاتا ہے ابدال ۴۰ ہوتے ہیں ۲۲ یا ۱۲ شام میں اور ۱۸ یا ۲۸ عراق میں رہتے۔ شریعت وطریقت ۳۳۸ یہ تکوینی تصرفات کرتے ہیں جیسے حضرت خضر کا قصہ قرآن کریم میں مذکور ہے

ایک ابدال قریب مرگ تھے جن کے کراہنے کی آواز آرہی تھی اور وہ بوڑھے نورانی شکل والے بزرگ جو جنازہ لے کر نکلے تھے وہ حضرت خضر علیہ السلام تھے۔ اس جماعت نے مجھے باطنی طور پر مجھ کو اطلاع دے کر دریافت کیا کہ اس کی جگہ کون ابدال مقرر کیا جائے؟ میں نے حق سبحانہ تعالیٰ کی طرف توجہ کی۔ ارشاد ہوا کہ قسطنطنیہ کے گرجا میں اس وقت ایک نصرانی صلیب کو پوج رہا ہے اس کو کر دیا جائے چونکہ کافر تو کسی عہدہ باطنی پر ہو نہیں سکتا جیسا آج کل لوگ سمجھتے ہیں کہ چمار چوڑھے بھی صاحب خدمت ہوتے ہیں، کیا اللہ تعالیٰ کو خدمت کے لیے مسلمان نہیں ملتے جو چوڑھوں چماروں سے کام لیں؟ سبحان اللہ! اچھی قدر کی ولایت کی خوب سمجھ لو کہ کافر ہرگز ولی نہیں ہوسکتا۔ اگر کسی کافر کو ولی کرنا بھی ہوتا ہے تو اول اس کو اسلام کی توفیق دی جاتی ہے۔ چنانچہ اس نصرانی کے معاملہ میں بھی یہ ہی ہوا کہ قسطنطنیہ سے ایک دم میں زمین کی طنابیں کھینچ کر اس کو حضرت شیخ کی خدمت میں پہنچایا گیا اور حضرت شیخ کی توجہ کی برکت سے کلمہ پڑھنے کے ساتھ ہی وہ رتبہ ابدالیت پر پہنچ گیا حالانکہ نہ کوئی مجاہدہ کیا نہ ریاضت، اسی کو تو کہتے ہیں حضرت مسعود بک ”مرشد چو کامل است چلہ شد شد نشد نشد ①“ لیکن یہ محض شاذ و نادر ہے، کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے ورنہ چکی ہی پیسنا پڑتی ہے ② جو کچھ ملتا ہے چکی ہی پیسنے سے ملتا ہے، خدا کے واسطے کہیں اس شاذ و نادر ہی پر نہ بیٹھ رہنا۔

بلا مشقت مرتبہ عالی کی تمنا کی مثال

شاذ و نادر پر بیٹھے رہنا تو ایسے ہے جیسے کوئی عورت اس بنا پر بے نکاح بیٹھی رہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کے بھی تو بے مرد کے اولاد ہوگئی تھی یا کوئی مرد صاحب اس بھروسہ پر کسی عورت کو نکاح کے لیے تلاش نہ کریں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے حضرت حوا علیہا السلام بدون عورت ہی پیدا ہوگئی تھیں۔ میری پسلی سے بھی ایک ہوّا (چھوٹی ہ سے) سے نکل آئے گی، یہ دونوں بالکل احمق ہیں۔ میاں خدا نے ایک دفعہ یوں بھی کر دیا کہ بلا نکاح کے عورت کو اولاد دے دی اور ایک مرتبہ یہ بھی قدرت دکھلا دی

① اگر شیخ کامل ہو پھر چلہ کی ضرورت نہیں کرو کرو نہ کرو نہ کرو ② محنت ہی کرنی پڑتی ہے۔

کہ مرد کی پسلی سے عورت پیدا کر دی، اب یہ تو نہیں کہ روز روز ایسا ہی ہوا کرے اور لوگ اس شاذ و نادر ہی کے منتظر بیٹھے رہیں نہ عورت مرد سے نکاح کرے نہ مرد عورت کی فکر کرے، آج کل یہ عجیب واہیات ہے کہ طالبین شاذ و نادر پر بیٹھے رہتے ہیں کہ پیر ایک نظر کرے گا تو بس بیڑا پار ہو جائے گا اور خود کچھ کرتے کراتے نہیں۔ کیوں جی وہ تمہارے باوا کا نوکر تو ہے نہیں، اگر نظر نہ کرے تو کیا کر لو گے۔ یہ کیا بیوقوفی کی بات ہے، نیز اس کے قبضہ کی بھی تو بات نہیں اگر کسی کے اختیار میں ہوتا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابو طالب کے قلب میں ضرور اسلام ڈال دیتے۔

کامیابی تو کام سے ہوگی

بھائی بلا کام کیے بھی کہیں کامیابی ہوتی ہے۔ اصل طریق تو یہ ہی ہے کہ

کارکن کار بگذار از گفتار　　کاندریں راہ کار باید کار①

قدم باید اندر طریقت نہ دم　　کہ اصلی ندارد دم بے قدم②

نری آرزوؤں اور ہوس سے کام نہیں چلتا۔ اسی کو کہتے ہیں:

عرفی اگر بہ گریہ میسر شدے وصال　　صد سال میتوان بہ تمنا گریستن ③

تو کیا ہوتا ہے نری آرزوؤں اور تمناؤں سے کام تو کام کرنے سے ہی ہوتا ہے اور کام بھی ایسا جس میں کام ہی کو ثمرہ سمجھا جاوے۔ گو اور کوئی ثمرہ نہ ملے، جب کام اور ثمرہ ایک ہی چیز ہے تو بدون کام کیے ثمرہ کا حصول چہ معنیٰ؟ جب کام نہیں تو ثمرہ بھی نہیں کیونکہ ثمرہ تو وہی کام تھا۔

کامیابی کا گُر

حضرت سرمد رحمۃ اللہ علیہ اسی طرف اشارہ فرماتے ہیں:

---

① ''کام کر بے کار باتیں چھوڑ، اس طریق الفت میں صرف عمل ہے'' ② ''طریقت میں عمل کرنا چاہیے نہ کہ دعویٰ کیونکہ دعویٰ بغیر عمل کے بے حقیقت ہے'' ③ ''عرفیؔ اگر رونے سے وصال میسر آ جائے تو اس کی تمنا میں سو سال تک رو سکتا ہوں''

سرمد گلہ اختصاری باید کرد یک کار ازیں دو کاری باید کرد
یا تن بہ رضائے دوست می باید داد یا قطع نظر زیادی باید کرد①

ثمرات میں ناکامی کی شکایت کرنے والوں سے کہتے ہیں کہ میاں ان حکایات شکایات کے دفتر کو تو طے کرو، زیادہ قیل وقال② کی حاجت نہیں، ہم تو ایک مختصر سی بات کہتے ہیں کہ بس ان دو کاموں میں سے ایک کام کو اختیار کرلو، یا تو یہ کرو کہ جس بات میں محبوب حقیقی راضی ہو خواہ وہ ناکامی ہی کیوں نہ ہو اس پر راضی رہو یعنی کام ہی کو ثمرہ سمجھو کیونکہ یہ تسلیم ورضا جب ہی ہوسکتی ہے جبکہ عطائے حق کو کہ توفیق عمل ہے ثمرہ سمجھے اور اگر یہ پسند نہیں اور اس سے تم خفا ہوتے ہو تو بھائی سیدھی بات یہ ہے کہ پھر اپنے لیے کوئی دوسرا خدا ڈھونڈ لو، اس خدا کو چھوڑ دو۔ یہ حضرت سرمدؒ نے خوب دوٹوک بات کہی۔ واقعی یہ مجذوبوں والی ہی بات ٹھیک ہے کہ

یا تن بہ رضائے دوست می باید داد یا قطع نظر زیادی باید کرد ③

غرض کام ہی کو مقصود سمجھ کر اس میں لگا رہے کام کر کے بھی ثمرات کا انتظار نہ کرے نہ کہ بے کام کیے ثمرات کی توقع رکھے۔ ایں خیال است و محال است و جنوں④۔ بہر حال کام کرنا چاہیے کہ ثمرات بھی حسب سنتہ⑤ اللہ کام ہی سے ملتے ہیں لیکن کبھی خدا تعالیٰ اپنی یہ قدرت بھی دکھلا دیتے ہیں کہ بلا اسباب بھی مقصود پیدا کر دیتے ہیں۔

خدا کی قدرت وشان

چنانچہ اس آیت میں بھی اپنی ایسی ہی قدرت کا بیان فرماتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے ''فسوف یاتی اللہ'' یعنی تمہارے مرتد ہوجانے سے خدائی کام میں کچھ فتور واقع

① ''اے سرمد شکایت کو مختصر کر اور دو کاموں میں سے ایک کام کر یا تو بدن کو دوست کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے وقف کر دے یا دوست سے قطع نظر کر لے'' ② بحث ومباحثہ ③ ''یا تو بدن کو دوست کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے وقف کر دے یا دوست سے قطع نظر کر لے'' ④ بغیر کام کئے ثمرہ کی توقع رکھنا خام خیالی اور پاگل پن ہے ⑤ اللہ کا طریقہ یہی ہے کہ کام پر ثمرہ مرتب ہوتا ہے۔

نہ ہوگا جیسے کوئی یہ غلط قیاس کرلے کہ ساری رعایا کے باغی ہوجانے سے سلطنت کا کام تو نہیں چل سکتا تو خدا کو اپنے اوپر قیاس نہ کرو، وہ کسی سے مجبور نہیں، ان کی ذات قادر مطلق ہے، دم میں جو چاہیں کردیں۔ ''فسوف یاتی اللہ بقوم'' عنقریب ایک ایسی قوم پیدا کردیں گے جس کی شان ایسی ایسی ہوگی۔ آگے اس کی حالت کا بیان ہے ''یحبھم ویحبونہ الخ'' تو اس موقع پر جس قوم کا ذکر فرمایا ہے وہ قوم ظاہر ہے کہ بہت ہی اعلیٰ درجہ کی ہوگی۔ اس واسطے کہ مقابلہ کے موقع پر سنا رہے ہیں کہ بجائے تمہارے ان کو تیار فرمادیں گے تو لازمی طور پر وہ قوم ایسی ہونی چاہیے جو ہر طرح کامل اور اعلیٰ درجہ کی ہوتا کہ مرتد ہونے والوں کو معلوم ہوجائے کہ ہمارے پھرنے، ہٹنے سے کیا ہوا؟ ہماری جگہ دوسری قوم ہم سے بھی بڑھ چڑھ کر اسلام میں داخل ہوگئی تو گویا اس قوم کا اعلیٰ درجہ کی صفات سے متصف ہونا خود سیاق کلام سے ثابت ہوتا ہے۔

دینداری کی بنیاد محبت ہے

غرض جو صفات اس مقام پر مذکور ہوں گی وہ نہایت عظیم الشان اور قابل اعتبار ہوں گی۔ اب ان صفات کو سنئے کہ وہ کیا ہیں؟ سب سے اول جو صفت بیان کی گئی وہ یہ ہے کہ ''یحبھم و یحبونہ'' یعنی خدا کو ان سے محبت ہوگی اور ان کو خدا سے، دیکھئے حضرت سب سے پہلے حق تعالیٰ نے یہی صفت بیان فرمائی کہ وہ لوگ اہل محبت ہوں گے۔ اس تقدیم ذکر سے صفت محبت کا سب سے زیادہ مہتم بالشان ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اسی سے میں نے استدلال کرکے یہ عرض کیا تھا کہ بس دین میں محبت ہی اساس ہے، راس ہے، جڑ ہے، اصل ہے اور بنیاد ہے۔ جب یہ بات ہے تو اے صاحبو! آپ نے کیا کوشش کی اپنے اندر محبت پیدا کرنے کی؟ نمازی بھی ہوئے، روزہ دار بھی ہوگئے، حاجی بھی ہوگئے مگر محبت جو اصل چیز ہے آخر اس کی بھی کچھ کوشش کی؟ کچھ بھی نہیں، کوشش تو کیا اور الٹا یہ کیا ہے کہ جو محبت والے ہیں ان پر ہنستے ہیں ان کو پاگل اور مجنوں اور نہ جانے کیا کیا خطاب دے رکھے ہیں اور ان کی بھی بڑی کوتاہی ہوگی اگر وہ پاگل اور مجنوں کا لقب سن کر برا مانیں۔ کچھ خبر بھی ہے یہ لقب تو بہت بڑا ہے ارے یہ تو ایسا لقب

ہے کہ اس کو سن کر تمہیں خدا کا شکر کرنا چاہیے نہ کہ برا مانو کیونکہ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ مخالف بھی تمہارے اعلیٰ درجہ کے محبت خدا اور رسول ہونے کی شہادت دینے لگے بات یہ ہے کہ مخالف یہ لقب اسی کو دیتے ہیں جو اعلیٰ درجہ کا محب ہو اور اس کا راز یہ ہے کہ جو شخص اعلیٰ درجہ کا محب ہوتا ہے اس کے افعال عقل معاش اور دنیوی مصلحتوں کے خلاف ہونے لگتے ہیں اور یہی تو وجہ ہے کہ جو لوگ محض عقل معاش رکھتے ہیں وہی ایسے شخص کو مجنوں اور بیوقوف کہتے ہیں اور یہ لقب بہت پرانا ہے۔

صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں منافقین کا قول

چنانچہ کلام مجید اس پر شاہد ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ اٰمِنُوا كَمَا اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوا أَنُؤْمِنُ كَمَا اٰمَنَ السُّفَهَاءُ ① دیکھئے حضرات صحابہؓ کو جو اعلیٰ درجہ کا ایمان رکھتے تھے منافقین نے نعوذ باللہ سفہاء ② کا لقب دے رکھا تھا کیونکہ وہ حضرات اپنے سب اعزہ واقرباء کو چھوڑ کر اور مال ومتاع کو خیر باد کہ کر ایمان لائے تھے جو بظاہر عقل معاش کے بالکل خلاف تھا۔ اسی لیے منافقین کہتے تھے کہ ان کی عقل ماری گئی ہے کہ اپنا اتنا بڑا نقصان کر کے ایمان لائے ہیں یہ بھی کوئی عقل کی بات ہے۔ کیا ہم بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح یہ بیوقوف ایمان لے آئے ہیں؟ تو دیکھئے ان احمقوں نے حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بھی نعوذ باللہ بیوقوف بتایا۔ اس زمانہ میں بھی یہی حال ہے۔

ایک نومسلم

ہمارے قصبہ میں ایک شخص نومسلم ہیں وہ پہلے امیر کبیر گھرانے کے تھے۔ جب وہ مسلمان ہو گئے تو ظاہر بات ہے کہ پھر ظالم لوگ بھلا وہ دولت وثروت ان کو کہاں دیتے، بیچارے ہمارے بھائی کے ہاں دس بارہ روپے کے نوکر ہیں یا تو خود صاحب

① ''جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم بھی ایسا ہی ایمان لے آؤ جیسا اور لوگ ایمان لائے ہیں تو کہتے ہیں کیا ہم ایمان لائیں گے جیسا یہ بیوقوف لوگ ایمان لائے ہیں'' ② بے وقوف کہتے تھے۔

جائیداد تھے یا اب نوکری کرتے ہیں اور اپنا پیٹ پالتے ہیں مگر جس جگہ نوکر ہیں وہاں پر ہیں بہت عزت اور آرام کے ساتھ جس جگہ کے رہنے والے ہیں وہاں ایک مرتبہ کسی کام سے ان کا جانا ہوا۔ وہاں ان کے عزیز واقارب سب ہی ہیں مگر اب ان سے کیا علاقہ۔ لہٰذا وہ جا کر کسی موقع پر ٹھہر گئے ان کے عزیز واقارب سب ملنے آئے اور ان کی بڑی خاطر کی۔ وہ خود اپنا واقعہ بیان کرتے تھے کہ میں لیٹا ہوا تھا اور وہ لوگ بھی پاس بیٹھے تھے، وہ سمجھے کہ یہ سو رہا ہے لیکن میں جاگ رہا تھا، ایک بولا کہ ارے سنا ہے یہ بڑے آرام میں ہے، ایک شیخ کے یہاں کا رندہ ہے، اس کی بہت بڑی حویلی ہے، نوکر چاکر، گائیں، بھینسیں سبھی کچھ ہے اور یہ سب پر حکومت کرتا ہے، بڑی عزت ہے، بڑے مزے ہیں، دوسرا بولا کہ بھائی سب کچھ سہی مگر اس نے کی بہت کھوٹی بات (یعنی بری بات) کہ اپنے عزیز قریب بیوی بچے سب چھوڑ دیئے اور مسلمان ہو گیا۔ لیجئے یہ ان کو لقب ملا تو سمجھنے کی بات ہے کہ باپ بھائی جائیداد بیوی سب کو چھوڑ دینا آسان کام نہیں ان کی پہلی بیوی مسلمان نہیں ہوئی وہ اب بھی موجود ہے اور اب بھی کبھی کبھی جب ساس نندوں سے پریشان ہوتی ہے ان سے کہلا بھیجتی ہے کہ تم میری مدد نہیں کرتے، اب بھی اتنا بڑا ناز ہے بہر حال انہیں بیوقوف اس بناء پر قرار دیا کہ عزیز وقریب سب کو چھوڑ دیا اور ایمان کے مقابلہ میں کسی چیز کی پروانہ کی تو صاحب یہ شان ہوتی ہے اعلیٰ درجہ کے محبّ کی اور یہ لقب اس کو ملتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کفار کا رویہ

اور لیجئے سب سے بڑھ کر عاقل سید العقلاء حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی کفار نعوذ باللہ مجنون کہتے تھے۔ چنانچہ قرآن مجید میں جابجا ان کے یہ اقوال موجود ہیں: ''اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ بِهٖ جِنَّةٌ ''① ''وَیَقُوۡلُوۡنَ اِنَّهٗ لَمَجۡنُوۡنٌ'' ② اور خدا تعالیٰ نے اس کی نفی فرمائی ہے: ''مَاۤ اَنۡتَ بِنِعۡمَتِ رَبِّكَ بِمَجۡنُوۡنٍ''③

① ''یا یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت جنون کے قائل ہیں'' سورۃ المؤمنون: ۷۰ (نعوذ باللہ) ② ''اور کہتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجنوں ہیں'' القلم: ۵۱ ③ ''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے رب کے فضل سے مجنوں نہیں'' القلم: ۲

گو یہ احتمال بھی ہے کہ اور کچھ تو بن نہ پڑتا تھا محض جل کر یہ کہہ دیتے ہوں کوئی اور منشاء نہ ہو اس قول کا مگر یہ ظاہر کے خلاف ہے چنانچہ شاعر اور ساحر بھی تو کہتے تھے تو وہ لوگ یہ تینوں لقب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اطلاق کرتے تھے۔ یعنی شاعر ساحر اور مجنون اور شاعر اور ساحر کا منشاء ہمیں معلوم ہے چنانچہ میں ابھی عرض کروں گا۔ جب دو کا منشاء معلوم ہے تو ظاہر یہ ہے کہ تیسرے لقب کا منشاء بھی ضرور ہوگا۔ شاعر اور ساحر کہنے کا منشا سنئے وہ ایسا ہے جیسا کسی نے کہا ہے کہ معشوق من آنست کہ نزدیک تو زشت است ① شاعر اور ساحر اس لیے کہتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام مبارک میں ایسا اثر تھا کہ جب کفار سنتے تھے تو ان کے خیالات میں عظیم الشان تبدیلی واقع ہو جاتی تھی۔ پس طرز بیان کی تاثیر کو تو شاعری اور مضمون کی تاثیر کو ساحری کہتے تھے۔ اسی لیے کوششیں کرتے تھے کہ کسی طرح لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلام نہ سنیں۔ چنانچہ ڈرتے تھے اور کہتے تھے کہ دیکھو ان کا کلام مت سنو" لا تسمعوا لھذا القرآن "خبردار قرآن مت سننا بس اس کا سننا ہی غضب ہے" والغوا فیہ "اور اگر وہ پڑھنے ہی لگیں تو تم شور وغل مچانا، گپڑ سپڑ کرنا شروع کردو، لعلکم تغلبون شاید اسی سے جیت جاؤ (اس طرح سے کہ وہ مجبور ہو کر خاموش ہو جائیں) یہ تہذیب تھی ماشاء اللہ۔ غرض وہ بہت ہی ڈرتے تھے کہ یہ تو شاعر اور ساحر ہیں، ان کا کلام سنا نہیں اور اثر ہوا نہیں، بس اسی واسطے شاعر اور ساحر کہتے تھے۔ غرض کلام کی قوت تاثیر اس کا منشاء تھا۔ اسی طرح مجنون جو کہتے تھے تو اس کا بھی ایک منشاء تھا وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حق کے مقابلہ میں ساری دنیا کی مصلحتوں کو چھوڑ دیا یعنی ان بیوقوفوں کے نزدیک نعوذ باللہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ عقل کے خلاف بات کی۔

کفار کی پیش کش

چنانچہ سب نے مل کر ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک سفیر بھیجا جو حاضر ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں منافع ومصالح پیش کرے اس نے آکر عرض کیا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اگر آپ سردار بننا چاہتے ہیں تو ہم لوگ سب آپ کو بخوشی

① میرا معشوق ہے جب ہی تو تیرے نزدیک برا ہے۔

اپنا سردار بنالیں کیونکہ آپ نہایت شریف النسب ہیں آپ ﷺ جس قبیلہ میں پیدا ہوئے ہیں وہ حسب نسب میں سب سے بڑھ کر ہے، آپ کو اپنا سردار بنا لینے میں ہم کو کوئی عار نہیں مگر ہمارے بتوں کو برا نہ کہیئے اگر ان عورتیں چاہتے ہیں تو قریش کی ساری لڑکیاں حاضر ہیں ایک سے ایک حسین موجود ہے جتنی چاہیں پسند کر لیجئے ،اپنی بہنیں اور لڑکیاں آپ کے نکاح میں دینا ہمارے لیے فخر ہے بلکہ انہیں خود آپ ﷺ کی لونڈیاں بننا باعث عزت ہے اور اگر مال کی خواہش ہے تو ہم ابھی ایک بڑا خزانہ آپ کے لیے فراہم کر دیں بس آپ قرار وسکون سے بیٹھے رہیئے اور ہمارے بتوں کو برا کہنا چھوڑ دیجئے۔

حضور ﷺ کا جواب

جب سفیر یہ سب باتیں کہہ چکا تو آپ نے بجائے جواب دینے کے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر سورہ حم سجدہ کا شروع کا حصہ تلاوت فرمایا: حٰمٓ ﴿۱﴾ تَنزِيلٌ مِّنَ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ ﴿۲﴾ كِتَٰبٞ فُصِّلَتۡ ءَايَٰتُهُۥ قُرۡءَانًا عَرَبِيّٗا لِّقَوۡمٖ يَعۡلَمُونَ ﴿۳﴾ بَشِيرٗا وَنَذِيرٗا فَأَعۡرَضَ أَكۡثَرُهُمۡ فَهُمۡ لَا يَسۡمَعُونَ ﴿٤﴾① الی آخر الآیات اور اس کی یہ حالت تھی کہ بالکل ساکت اور صامت تھا جیسے کہ نقش دیوار۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھتے پڑھتے یہ آیت تلاوت فرمائی: ”فَإِنۡ أَعۡرَضُواْ فَقُلۡ أَنذَرۡتُكُمۡ صَٰعِقَةٗ مِّثۡلَ صَٰعِقَةِ عَادٖ وَثَمُودَ ②

تو گھبرا کر کہنے لگا بس کیجئے بس کیجئے اب سننے کی تاب نہیں، اس قدر اثر ہوا کہ سنا نہیں گیا اور اٹھ کر بھاگا اور بھاگ کر اپنے ساتھیوں میں پہنچا جنہوں نے اسے بھیجا تھا یعنی ابوجہل وغیرہ۔

---

① ”یہ کتاب رحمن ورحیم کی طرف سے نازل کی گئی ہے جس کی آیتیں صاف صاف بیان کی گئی ہیں یعنی ایسا قرآن ہے جو عربی ہے ایسے لوگوں کے لیے جو دانشمند ہیں بشارت دینے والا ہے ڈرانے والا ہے مگر اکثر لوگ روگردانی کرتے ہیں اور سنتے نہیں“ سورۂ فصلت:۱۔۴ ② ”پھر یہ اعراض کریں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیجئے کہ میں تم کو ایسی آفت سے ڈراتا ہوں جیسی عاد وثمود پر آئی تھی“ سورۂ فصلت: ۱۳

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام کا اثر

وہ سب منتظر بیٹھے تھے، ابوجہل بڑا ذہین تھا اس نے دور ہی سے دیکھ کر تاڑ لیا کہا کہ بھائی یہ گیا تو تھا اور چہرہ سے اور آرہا ہے اور چہرہ سے ایسا شریر تھا کہ دور ہی سے پہچان گیا کہ ارے یہ تو کچھ ڈھیلے ڈھیلے گھٹنوں سے آرہا ہے اس کے چہرہ کا تو کچھ رنگ ہی بدلا ہوا ہے، گیا تھا اور چہرہ سے، آرہا ہے اور چہرہ سے، جب پاس پہنچا تو سب نے پوچھا ارے یار! کہہ تو سہی کیا گزری؟ اس نے کہا کہ اجی! کیا پوچھتے ہو جب میں سب باتیں پیش کر چکا تو انہوں نے ایک ایسا کلام پڑھا کہ واللہ! اگر میں وہاں تھوڑی دیر اور بیٹھا رہتا تو سخت اندیشہ تھا کہ کوئی بجلی میرے اوپر آگرتی۔ کیا پوچھتے ہو؟ کیا کیفیت تھی اثر کی۔ جب انہوں نے یہ کہا کہ میں تم کو ایک ایسی کڑک سے ڈراتا ہوں جیسی کہ عاد اور ثمود پر گرائی گئی تھی تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ بس اب بجلی گری۔ خدا جانے کیا کلام تھا؟ اور کس غضب کا اس میں اثر تھا۔ واللہ! اگر اور تھوڑی دیر بیٹھوں اور سنوں تو بجز اس کے کہ مسلمان ہو جاؤں اور کوئی صورت نہ تھی، مشکل سے اپنا پیچھا چھڑا کر آیا ہوں۔ تو یہ حال تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اثر کا چونکہ وہ لوگ رات دن دیکھتے تھے کہ یہ الٹ پلٹ کر دیتے ہیں ایک جلسہ میں تمام قوموں کو (قوموں جمع ہے قومہ کی بمناسبت مقابلہ لفظ جلسہ جامع ۱۲) اس واسطے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو (نعوذ باللہ) شاعر اور ساحر کہتے تھے۔

قوم کی بُعد عقلی

جب اس قوم نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سرداری مل رہی ہے وہ نہیں لیتے، اونٹ مل رہے ہیں وہ نہیں لیتے، مال مل رہا ہے وہ نہیں لیتے، حسین حسین عورتیں مل رہی ہیں وہ نہیں لیتے تو وہ نامعقول سمجھے کہ بھلا یہ کون سی عقل کی بات ہے۔ جب دنیا کی ساری نعمتیں مل رہی ہیں تو پھر خواہ مخواہ انکار ہے۔ عقل کی بات تو یہ ہے کہ میاں جب اتنا چندہ اور روپے مل رہے ہیں تو لے لو کام آویں گے، احمقوں نے اپنے اوپر قیاس کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ ایک مقام پر میری ایک انگریز سے جو کہ ایجنٹ تھا اس کی

خواہش پر ملاقات ہوئی۔ دوران گفتگو میں اس نے پوچھا کہ ہم نے سنا ہے آپ نے قرآن شریف کی تفسیر لکھی ہے؟ میں نے کہا ہاں صاحب لکھی ہے۔ تو آپ کیا کہتے ہیں آپ کو کتنا روپیہ ملا؟۔ میں نے دل میں کہا کہ واہ واہ بس یہ ہے آپ کا مبلغ پرواز اور مطمح نظر۔ جب میں نے کہا کہ کچھ بھی نہیں ملا تو بڑے تعجب سے پوچھا کہ آپ نے اتنی بڑی کتاب لکھی اور کچھ بھی نہ ملا تو پھر کیا فائدہ ہوا اتنی محنت ہی پھر کیوں کی؟ اس کے نزدیک جسے روپیہ نہ ملے وہ کوئی دین کا کام ہی نہ کرے، خیر میں نے اسی کے مذاق کے موافق اسے سمجھایا، میں نے کہا کہ اس سے مجھے دو فائدے ہوئے ایک تو یہ کہ علاوہ اس زندگی کے ہم مسلمانوں کے اعتقاد کے موافق ایک دوسری زندگی بھی ہے جس کو ہم لوگ آخرت کہتے ہیں، وہاں ایسے کاموں کا عوض ملنے کی ہمیں توقع ہے اور دوسرا فائدہ دنیا کا بھی ہے وہ یہ کہ میں نے جو تفسیر لکھی ہے اپنے بھائی مسلمانوں کے فائدہ کے لیے لکھی ہے اور یہ ایک قومی خدمت ہے۔ جب میں اس تفسیر کو اپنے بھائیوں کے ہاتھوں میں دیکھتا ہوں تو مجھے اس بات سے خوشی ہوتی ہے کہ میری قوم کو اس سے نفع پہنچ رہا ہے چونکہ یہ تقریر اس کے مذاق کے موافق تھی اس کو سن کر اس کی نظر میں میری بڑی وقعت ہوئی تو جو روپیہ پیسے اور جاہ کو مقصود سمجھے گا وہ ضرور ایسے شخص کو کہے گا کہ بڑا بیوقوف ہے کہ اس نے محض دین کے لیے اپنا جاہ مال سب برباد کر دیا۔ ہمارے ایک دوست نے ناجائز ہونے کی بنا پر ڈپٹی کلکٹری چھوڑ دی ہے تو اب سب لوگ انہیں لتاڑتے ہیں کہ عقل ہی ماری گئی ہے، ہم یہ کہتے ہیں کہ تمہاری ہی عقل ماری گئی ہے جو اس کو خلاف عقل کہتے ہو۔

اوست دیوانہ کہ دیوانہ نشد ①

نوٹ: اس وعظ کا بقیہ حصہ اگلے شمارے میں چھپے گا جس کی ابتدا اس عنوان سے ہو رہی ہے (کفار کے تمسخر کا جواب)۔

---

① وہی دیوانہ ہے جو اللہ کا دیوانہ ہو۔

اخبار الجامعۃ
ماہ فروری/ مارچ 2025ء

حضرت مولانا ڈاکٹر قاری احمد میاں تھانوی (مدظلہ) مہتمم جامعہ ہٰذا

❁ 22 فروری: حضرت مولانا ڈاکٹر قاری احمد میاں تھانوی زید مجدہ مہتمم جامعہ ہٰذا نے کراچی جامع مسجد فاروق اعظمؓ مولانا آصف قاسمی صاحب کے ہاں تقریب میں تلاوت قرآن کریم فرمائی۔

اس موقع پر مولانا قاسمی صاحب نے بخاری شریف کی شرح بصیرتِ حدیث کتاب کا تعارف پیش فرمایا۔

❁ 23 فروری: دن 10 بجے اشرف المدارس کراچی مولانا حکیم مظہر صاحب کے ہاں تقریب تکمیل قرآن کریم میں تلاوت و بیان فرمایا۔

بعد نماز مغرب منظور کالونی ادارہ تعلیم القرآن کراچی مسابقۂ حفظ القرآن الکریم کی ججمنٹ فرمائی اور کامیاب طلباء کو انعامات سے نوازا۔

❁ 24 فروری: کیپٹن نصرت صاحب کے ہاں دعائے خیر فرمائی۔

❁ 20 مارچ: حضرت مہتمم صاحب کی زیر سرپرستی اساتذہ کرام کا مشاورتی اجلاس ہوا جس میں وفاق المدارس کے امتحانی نتائج پر غور وخوض کے بعد آئندہ تعلیمی سال کیلئے تفصیلی لائحہ عمل ترتیب دیا گیا۔

داخلہ فارم 6 شوال 1446ھ بمطابق 5 اپریل 2025 سے جامعہ کے دفتر انتظام سے ملنا شروع ہوں گے اور آغاز تعلیم 13 اپریل بروز اتوار سے ہوجائیگا ان شاء اللہ۔

اس موقع پر حضرت مہتمم صاحب نے تجوید للعلماء کے 2 طلباء محمد عمران اوکاڑوی اور محمد عمیر مظفر گڑھی کو وفاق المدارس کے سالانہ امتحان میں 600 میں سے 555 نمبر لیکر ملکی سطح پر تیسری پوزیشن حاصل کرنے پر مبارکباد پیش فرمائی۔

وفاق المدارس کے تحت سالانہ امتحان میں شرکت کرنے والے طلباء

نمبر شمار	درجہ	کل طلباء
1	دورہ حدیث	46
2	موقوف	47
3	عالیہ ثانیہ	50
4	عالیہ اول	71
5	خاصہ ثانیہ	78
6	خاصہ اولیٰ	64
7	عامہ ثالثہ	112
8	تجوید للحفاظ	161
9	تجوید للعلماء	9
10	دراسات اول	3
11	دراسات دوم	3
12	حفظ کتب	20
13	حفظ	32
	کل تعداد	696